کیتھرائین بلاک

مسلم خواتین اور حجاب

فکر کے نئے گوشے

(تاریخی و جدید منفی تصورات کا محاکمہ)

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی

مسلم خواتین اور حجاب

فکر کے نئے گوشے

(تاریخی و جدید منفی تصورات کا محاکمہ)

مصنفہ

کیتھرائن بلاک

مترجم

ہاشمی سید وہاج الدین

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی ۲۵

مسلم خواتین اور حجاب: فکر کے نئے گوشے

(تاریخی وجدید منفی تصورات کا محاکمہ)

Muslim Khawateen Aur Hijab: Fikr ke Naye Goshe

Tareekhi w Jadeed Manfi Tasawwurat ka Muhakama

Rethinking Muslim Women & The Veil

Challenging Historical & Modern Stereotypes

By: **Katherine Bullock**

©جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

(اس کی جزوی طباعت بھی پہلے سے حاصل کردہ تحریری اجازت کے بغیر ممنوع ہے)

کوئی ضروری نہیں کہ مصنف کے افکار وخیالات سے ناشر/تقسیم کار یا پرنٹر متفق ہوں۔

ISBN: 978-93-84973-66-7

مترجم : ہاشمی سید وہاج الدین

کل صفحات : 50

سال اشاعت : 2018ء

قیمت : Rs. 40

مطبع : بھارت آفسیٹ، گلی قاسم جان، دہلی۔110006

ناشر

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز

162، جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025

ملنے کا پتہ

قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

B-35، نظام الدین (ویسٹ)، نئی دہلی-110013

Tel.: 91-11-**24352732, 41827475** Fax.: 91-11-24352048

E-mail: qazipublishers@yahoo.com
info@qazipublishers.com

فہرست

پیش لفظ ۵

تعارف ۷

باب اول- حجاب نوآبادیاتی دور میں ۱۱

جدیدیت کی حقیقت ۱۳

نظر اور حجاب ۱۳

خاتمہ ۱۵

باب دوم- ٹورنٹو میں حجاب پہننے کے نظریات و تجربات ۱۶

حجاب کے نظریات ۱۷

ا-حجاب کس لیے؟ ۱۷

۲-روایتی (یعنی مرد جانبدارانہ) تعبیر؟ ۱۸

باب سوم- حجاب کے متعدد مفہوم ۲۱

حجاب پہننے کے اسباب ۲۲

حجاب کے معنیٰ: مغربی میڈیا کا نقطۂ نظر ۲۳

باب چہارم- مرنیسی (Mernissi) اور حجاب پر بحث و مباحثہ ۲۶

مرنیسی اور طریقہ کار ۲۶

عورت اور جنسیت قرآن وسنت کی روشنی میں..۲۸
خاتمہ ۳۰
باب پنجم- حجاب کا متبادل نظریہ ۳۱
(A) حجاب اور آزادی اور (B) حجاب اور مردوں کی نگاہیں ۳۱
(C) حجاب اور نسوانیت ۳۴
(D) حجاب ،جنسیت اور لزومیت ۳۵
(E) حجاب اور پسند ۳۶
(F) حجاب اور مذہبیت ۳۸
(G) خاتمہ...۳۹
خلاصۂ کلام...۴۰
مصنفہ ۴۴
حواشی ۴۵

❖❖❖

پیش لفظ

یورپ کے صنعتی انقلاب نے زندگی کے ہر گوشے کو متاثر کیا۔اس سے فرد بھی متاثر ہوا اور معاشرہ بھی۔ ایک طرف نئے نئے مسائل سامنے آئے تو دوسری طرف انسانی زندگی مشینی زندگی میں تبدیل ہوگئی۔ عام انسان کے پاس اتنا وقت بھی نہیں بچا کہ وہ اپنے گردوپیش پر نظر ڈالے اور پیش آمدہ مسائل پر غوروفکر کرے۔لیکن اس صورت حال کے نتیجے میں جدید مسائل کے انبار پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ روز بہ روز ایک نیا مسئلہ سر اٹھاتا اور اہل علم کو دعوتِ فکر وتحقیق دیتا رہا۔الحمدللہ اہل علم نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا۔ نئے مسائل کو فکر اسلامی کے تناظر میں حل کرنے کی شاندار کوششیں کیں اور بڑے اہم موضوعات پر چھوٹی چھوٹی کتابوں کی شکل میں علمی وفکری مواد پیش کیا۔ گویا دریا کو کوزے میں سمودیا۔تاکہ ہر صاحبِ علم کے لیے ان سے استفادہ آسان ہوجائے۔

زیرنظر کتابچہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس میں عہد حاضر کے ایک سلگتے ہوئے موضوع پر بڑے علمی وفکری انداز میں قلم اٹھایا گیا ہے۔ موضوع کے تمام علمی گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے مصنف نے پوری مضبوطی کے

ساتھ اپنا نقطۂ نظر پیش کر دیا ہے۔ تا کہ موضوع کی اہمیت واضح ہو، اس کے مختلف گوشے سامنے آئیں اور عصری تناظر میں اس کو فکر وتحقیق کا موضوع بنانے کی راہ ہموار ہو۔

ہمیں امید ہے کہ مختصر کتابوں کا یہ پورا سلسلہ وقت کے بہت سے اہم موضوعات پر علمی وتحقیقی مطالعے کی راہ ہموار کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔

ڈاکٹر محمد منظور عالم
چیئرمین
انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی

تعارف

1991 میں ٹیلی ویژن پر میں نے ایک نیوز رپورٹ دیکھی جس میں ترک خواتین کو حجاب کی طرف مائل ہوتے دکھایا گیا تھا۔ ان کی اس روش پر مجھے دھکا لگا اور میں افسردہ ہوگئی۔ میں نے سوچا کہ یہ تو گھٹیا چیزیں ہیں اور ان کی تہذیب نے ان کی ذہن سازی کی ہے۔ اکثر مغربی لوگوں کی طرح میں بھی اس بات کی قائل تھی کہ اسلام نے عورتوں پر ظلم کیا ہے اور پردہ اس ظلم کی علامت ہے۔ لیکن آپ کو حیرت ہوگی کہ چار سال بعد میں ایک اسٹور ونڈو (رسدگاہ) پر بالکل انہی مظلوم عورتوں کی طرح حجاب میں ملبوس تھی۔ ماسٹرس ڈگری کے دوران میں نے ایک روحانی سفر کا آغاز کیا تھا جو چار سال بعد قبولیت اسلام کی شکل میں نقطۂ عروج کو پہنچا۔ یہ سفر اسلام دشمنی، اسلام بےزاری سے لے کر اس کی توقیر واحترام، رغبت، اور قبولیت پر مشتمل تھا۔ عورت ہونے کے ناطے میرے نزدیک حجاب کا مسئلہ فطری طور پر مرکزی اہمیت کا حامل تھا۔

اسلام کے بنیادی عقائد سے میری رغبت کے باوجود عورت کی مظلومی کی روایات (جن پر مجھے ایمان لانا تھا) سے مجھے شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ میرا خیال تھا کہ حجاب ایک تہذیبی روایت ہے، جس سے ایک مسلم عورت یقینی طور پر چھٹکارا پاسکتی ہے۔ مرد اور عورت کے پردے کے حکم سے متعلق مجھے قرآن کی آیتیں دکھائی گئیں جن پر متعدد مسلمان ایمان رکھتے ہیں اور اس وقت مجھ پر یہ بالکل واضح ہوگیا کہ پردے کی پابندی دراصل ان

آیتوں کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ مسلم عورتوں کے بارے میں افسوس کرتے ہوئے میں گھر روانہ ہوگئی۔ چوں کہ قرآن کی آیتیں بالکل واضح تھیں لہٰذا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا: ایک صاحب ایمان مسلمان عورت کے لیے حجاب ضروری ہے۔

ان مسائل سے قطع نظر مجھے یہ طے کرنا تھا کہ میں اسلام قبول کروں یا نہ کروں؟ آخری تجزیے میں، جو نتیجہ سامنے آیا وہ اسلام کا بنیادی عقیدہ تھا، یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور آخری رسول ہیں۔ کئی برسوں کے مطالعہ کے بعد اس کے متعلق مجھے کوئی شبہ نہیں رہا کہ یہ صرف عورت اور اسلام کے مسئلے سے متعلق نہیں ہے۔

ڈاکٹریٹ میں مجھے ڈیڑھ برس ہو چکے تھے (جولائی 1994)، تب میں نے اسلام قبول کرنے کا حتمی فیصلہ کرلیا۔ میں نے یہ طے کرلیا تھا کہ حجاب چاہے مجھے پسند ہو یا نہ ہو، مجھے اس کو اختیار کر لینا چاہیے۔ یہ ایک حکم ہے اور میں اس کی تعمیل کروں گی۔ اپنے شعبہ کے کچھ لوگوں کو میں نے آگاہ کیا کہ میں مسلمان بن چکی ہوں اور اس کے بعد مجھے وہ حجاب میں پائیں گے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ لوگ اس بات پر بالکل سکتے میں آگئے اور جوں ہی یہ بات پھیلی (اور جیسا کہ لوگ مجھے نئے لباس میں دیکھنے لگے) میں نے دیکھا کہ میرے ساتھ نفرت انگیز رویہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ انہیں تعجب تھا کہ میں کیسے اس ظالمانہ روایت کو اختیار کر سکتی ہوں، جب کہ میں بالخصوص حقوقِ نسواں کی ایک مضبوط اور مخلص علمبردار کی حیثیت سے جانی جاتی ہوں؟ میں اسلام کیسے قبول کر سکتی ہوں؟ کیا میں نے نہیں سنا کہ حال ہی میں حماس نے کیا کیا؟ کیا میں نے حال ہی میں یہ نہیں سنا کہ کچھ مسلم مردوں نے ایک عورت کے ساتھ کیا کیا؟ اس طرح کے نفرت انگیز ماحول کے لیے میں بالکل تیار نہ تھی اور نہ ہی سر راہ، سیکریٹریز، سرکاری افسران، میڈیکل عملہ یا عام ناواقف لوگوں کے ناروا رویے کے لیے تیار تھی۔ میرے ساتھ اسی طرح کا سلوک جاری رہا، بعض اوقات لعنت و ملامت بھی کی جاتی۔

میرے ساتھ گوروں جیسا سلوک نہیں کیا جاتا تھا، جبکہ میں خود بھی گوروں کی نسل سے تھی اور متوسط طبقے کی خاتون تھی۔ تفریق اور نسل پرستی کے متعلق یہ میرا پہلا ذاتی تجربہ تھا جس نے مجھے اپنی سابقہ امتیازی حیثیت کو اس طرح دیکھنے پر مجبور کر دیا کہ جسے اس سے پہلے میں کبھی نہیں سمجھ سکی تھی۔

میری نئی مسلم سہیلیاں (بشمول متعدد نومسلموں کے) مجھے دلاسا دیتیں۔ چوں کہ میں نے اپنے نئے دین کے ذریعہ اپنا راستہ طے کر لیا تھا اور وسیع النظر سماج کے ردعمل کو میں بھگت رہی تھی۔ میرے ساتھی ان حالات سے کس طرح نبرد آزما ہو رہے ہیں، میں حیرت زدہ ہوں؟ کیا وہ حجاب (دوپٹہ) پہننے کے باعث اسی تجربے سے گزر رہی ہیں جس طرح ٹورنٹو میں مجھے گزرنا پڑا؟ یا پھر میں ہی زیادہ حساس ہوں؟ کیا لوگ واقعی راستوں پر (عورتوں کو) گھورتے ہیں؟ یا وہ کسی اور طرف دیکھتے ہیں؟ میرے ساتھ ذلت آمیز یا توہین آمیز سلوک کیوں کیا گیا؟ اس مشکل وقت میں، میں اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے کے لیے موضوع کی تلاش میں تھی، حالاں کہ میں نے کچھ لمحوں کے لیے اسے ترک کر دینے کی کوشش بھی کی، لیکن یہ بات میری سمجھ میں آ گئی کہ حجاب پر ردِعمل کے موضوع پر بھی تحقیق کی جا سکتی ہے۔ مغرب میں حجاب کو ظلم کی علامت کے طور پر کیوں دیکھا جاتا ہے؟ مغرب کو اسلام سے اتنا بغض وعناد کیوں ہے؟ میں اور میری کوئی سہیلی کیسے اس چیز کے ساتھ وابستگی محسوس کر سکتی ہیں جسے ہم آزادی سمجھتے ہیں؟ اور پھر بھی ہمارے اطراف غیر مسلم سوسائٹی کے ساتھ شدید ٹکراؤ کیوں ہے؟ لوگ اسلام اور اسکارف کے بارے میں ہمارے موقف کو کیوں نہیں سمجھتے؟

یہ کتاب اس سفر کا حاصل ہے جس میں انہی سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ 'مسلم خواتین اور حجاب: فکر کے نئے گوشے' کا سب سے اہم ترین مقصد مغرب کے اس معروف دقیانوسی تصور کو چیلنج کرنا ہے کہ پردہ خواتین پر ظلم ہے۔ میرا سب سے اہم استدلال

یہ ہے کہ پردے کو مسلم خواتین کی مظلومیت قرار دینے والا مغرب کا عام تصور ایک مصنوعی تصویر ہے جو تمام حجاب پہننے والوں کے تجربات کی نمائندگی نہیں کرتی۔ پردے کی اس تاویل نے ہمیشہ مغرب کی سیاسی خواہشات کو پورا کیا ہے اور بیسویں صدی کے آخر تک ہنوز یہ سلسلہ جاری رہا۔ ساتھ ہی میں نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ پردے کو ظلم قرار دینے کا یہ فیصلہ 'مساوات' اور 'آزادی' کی آزادانہ سوچ پر مبنی ہے جو 'مساوات' اور 'آزادی' کے متعلق غور وفکر کی دوسری راہوں کی تمہید ہے جو حجاب پہننے پر غور وخوض کو مزید مثبت انداز میں پیش کرتا ہے۔

باب اول

حجاب نوآبادیاتی دور میں

حجاب مغرب میں کب مظلومیت کی علامت بنا؟ اس خیال کی ابتدا کے بارے اگر چہ میں کوئی واضح اشارہ کرنے سے قاصر ہوں، لیکن ایسی شہادت ملتی ہے کہ اٹھارویں صدی تک یورپیوں نے پردے کو مسلمانوں کے درمیان ظالمانہ رواج سمجھا تھا۔ برطانوی خاتون میری ورٹلے مونٹیگو (Mary Wortley Montagu) نے اپنے سفارت کار شوہر عزت مآب ایڈورڈ ورٹلے مونٹیگو (Edward Wortley Montagu) کے ساتھ 1717-18 میں ترکی کا دورہ کیا تھا، اس نے پردے کے تصور پر تنازعہ کھڑا کیا۔ ترکی میں رہنے کے دوران حجاب پر عمل کرتے ہوئے اس نے دعویٰ کیا کہ پردہ عورت کو آزادی دیتا ہے، یہ انہیں اپنی شناخت کے بغیر باہر جانے کی اجازت دیتا ہے۔[1] تاہم پردہ، ظالمانہ تصور کے طور پر انیسویں صدی میں نئی اور اہم توجہ کا مرکز بنا۔ چوں کہ مشرقِ وسطیٰ پر یورپ کا یہ نوآبادیاتی دور تھا۔ جیسا کہ احمد نے اپنی کتاب میں وضاحت کی ہے کہ استعماری طاقتوں نے عورت کی حیثیت کے اس نئے نقطۂ نظر کو مشرقِ وسطیٰ پر حملے اور نوآبادی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے استعمال کیا۔

نوآبادیاتی دور میں، یورپی مردوں اور عورتوں، چاہے وہ نوآبادکار، سیاح، صناع، مبلغین، علماء، سیاستداں یا حقوقِ نسواں کے علمبردار ہوں، تمام کا ایک ہی ذہن تھا کہ مسلم خواتین اپنی تہذیب کے ظلم کا شکار ہیں۔ حجاب کو مظالم کی واضح معیاری فہرست: کثرت ازدواج، گوشہ گیری، مردوں کی جانب سے دی جانے والی آسان طلاق کے جزء کے طور پر شامل کیا گیا ہے جس سے مسلم خواتین نبرد آزما ہیں۔ درحقیقت، حجاب عورت کے تمام ذلت

آمیز مقام کا اجمالی اظہار اور سارے مشرقِ وسطیٰ کی پستی کی علامت بن گیا، جس کی آبیاری یورپی تہذیب، مشرقِ وسطیٰ کے بارے میں مستشرقین کے خیالات نے کی۔[2]

حجاب کی ظالمانہ ہیئت کے بارے میں صرف مغرب ہی قائل نہیں ہے، پشتنی شرفاء نے بھی اپنے متعلق مستشرقین کے خیالات کو اپنایا۔ وہ اس بات کے بھی قائل ہو گئے کہ وہ پسماندہ ہیں، ان کی خواتین پچھڑی ہوئی ہیں لہٰذا انہیں اپنی بہتری کے لیے مغربی نسخے پر عمل کرنا ہوگا۔ مغرب کے ساتھ ہونے کی کوشش میں بے پردگی اشراف کی بنیادی ضرورت بن گئی۔ اس طرح حجاب کسی قوم کی ترقی یا تنزل کی ایک مضبوط علامت بن گیا۔[3] اسی وقت سے اعلیٰ طبقے کے لوگ 'جدیدیت' کی قیادت کرنے لگے، پردہ مخالف بحث بھی ان طبقات پر حملہ ہے جو لوگ حجاب اور اس کی قدیم علامتی معنویت (پاکدامنی/ دولت/ رتبہ کی علامت) سے جڑے رہے۔[4] پردہ مخالف بحث نے ایک ہی ملک کے عوام کے درمیان خلیج کھڑی کردی: ایک جانب استعماروں کی تہذیب کو اپنانے اور ان سے معاشی و سماجی فائدہ اٹھانے والے مغرب پرست اشراف تھے اور ان کے بالمقابل نچلے طبقات، روایت پسند مسلم اساتذہ اور دوسرے جو استعماریت کی وجہ سے اذیت میں مبتلا تھے جنھوں نے مغربی طور طریقوں کو نہیں اپنایا۔[5]

چنانچہ پردے کے ظلم ہونے کا تصور غلبے کے نتیجے میں یا کم از کم غلبہ پانے کی خواہش کی وجہ سے پیدا ہوا۔ ایسی ہر دلیل جو اس تصور کو آگے بڑھاتی ہے کہ پردہ مسلم خواتین پر ظلم ہے، پردے کے متعلق مستشرقی اور نوآبادیاتی مباحث سے دانستہ یا نادانستہ طور پر اخذ کی گئی ہے۔ شاید اسی لیے پردے کے متعلق بحث و مباحث اس طرح غضبناک حد تک شدت اختیار کر لیتے ہیں۔ احمد کے خیال کے مطابق پردے کے متعلق مستشرقی مفہوم کا یہ 'بار' نوآبادیاتی دور ہی سے چلا آرہا ہے۔[6] حجاب پر دورِ حاضر میں ہونے والی مسلم دنیا کی جدوجہد اسی قسم کی طبقاتی یا تہذیبی تقسیم کی عکاسی کرتی ہے۔

جدیدیت کی حقیقت

اگر مغرب میں حجاب کو کم از کم اٹھارویں صدی ہی سے ظلم کے طور پر دیکھا جاتا رہا ہے، تو 19 ویں صدی کے نوآبادیاتی دور میں ایسی کون سی بات ہوگئی جس نے حجاب کے متعلق نئی توجہ مرکوز کروائی؟ میں نے اس باب میں یہ استدلال کیا کہ حجاب کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے کہ وہ نگاہوں کو پابند کرتی ہے اور متعدد لوگ جو اس پر عمل کرتے ہیں وہ تنقید کا نشانہ بنتے ہیں۔ گرچہ اس کے اثرات کا آغاز جدید نوآبادیاتی دور میں ہوا جو آج تک پائے جاتے ہیں اور حجاب پر حالیہ حملوں کو واضح کرتے ہیں۔ میرا تجزیہ Colonising Egypt میں 'جدیدیت کی حقیقت' کے یورپی تصور اور غیر یورپی تصور کے درمیان اختلاف کے متعلق ٹموتھی مشل (Timothy Mitchell) کے دلائل تک پھیلا ہوا ہے، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ یورپی تصور کے مطابق فرد اپنے آپ کو دنیا کے باہر سمجھتا ہے اور اس مادی دنیا کو اس طرح دیکھتا ہے کہ گویا وہ ایک تصویر (دنیا بحیثیت نمائش) ہو، جب کہ جدیدیت کی غیر یورپی حقیقت مادی دنیا کو تصویر کے طور پر پیش نہیں کرتی۔[7]

نظر اور حجاب

دنیا کو ایک نمائش کی حیثیت سے دیکھنے کے جس جدید تجربے کے متعلق مجھے وضاحت کرنی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں دیکھنے کو ترجیح دی گئی ہے۔ 1851 کے موسم گرما میں عظیم نمائش کے موقع پر دی ٹائمز (The Times) نے لکھا تھا: ''اب ہم معروضیت (حقیقت) پسند لوگ ہیں، ہم تمام چیزوں کو جہاں تک اپنے ہاتھ پہنچ سکتے ہیں شیشے کے شوکیسوں میں رکھنا چاہتے ہیں تاکہ انہیں جی بھر کے گھور سکیں۔''[8]

مشل کے مطابق یہ احساس کہ کوئی فرد اپنی نظر کو نیچی رکھ سکے اور دنیا کو ایک غیر جانبدار مقام سے دیکھنے کے قابل ہو، 'معروضیت' کے متعلق جدید تجربہ ہے۔ پھر اس وقت کیا ہوگا جب کسی کا سابقہ ایک ایسی دنیا سے ہو جہاں گھورنے سے پرہیز کیا جاتا ہو؟ گھورنے کے

لیے ایک 'زاویہ نگاہ' ضروری ہے، خود تو دیکھیں لیکن انہیں کوئی نہ دیکھے اور یہ بھی کہ دنیا کے لوگ خود کو تماشہ بنا کر پیش کریں۔ اس بات کا احساس کوئی مشکل امر نہیں کہ نوآبادیاتی دور میں مشرقِ وسطیٰ پہنچنے پر ایک یورپی سیاح عورتوں کو نقاب میں دیکھ کر کتنا مایوس ہوتا ہوگا۔ عورتیں خود کو نمائش کے طور پر پیش نہیں کرتیں۔ نہ تو ان کے گھر جن میں وہ رہتی ہیں (کھڑکیوں پر جالی لگی ہوتی ہے جس سے باہر دیکھا جاتا ہے) اس طرح کا کوئی موقع فراہم کرتے ہیں اور نہ ہی مردوں وعورتوں کا عدم اختلاط اس کی اجازت دیتا ہے۔ ایک باپردہ خاتون دنیاوی نمود و نمائش کی تمام لوازمات سے بے بہرہ رہتی ہے۔ انہیں دیکھا نہیں جاسکتا، بلکہ وہ دیکھ رہی ہوتی ہیں اور وہ کوئی تصویر نہیں ہوتیں کہ انہیں پڑھا جاسکے۔ ان کی شخصیتیں پر اسرار ہوتی ہیں کیوں کہ وہ خود کو آنے والوں کے سامنے ظاہر نہیں کرتیں۔ میرے خیال میں پردے کے خلاف یورپی ممالک کی مہم کا یہ ایک بنیادی پہلو ہے۔ یورپی اقوام نے اس احساس برتری کے ساتھ مشرقِ وسطیٰ میں قدم رکھا کہ وہ تمدن کی چوٹی پر ہیں، لیکن وہاں پہنچنے پر ان کا یہ اعتماد ٹوٹ گیا۔ کوئی بھی کسی ایسی مخلوق سے کیسے برتر ہوسکتا یا اس پر اپنا اقتدار قایم کرسکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہ ہو (چونکہ نہ انہیں دیکھا جاسکتا ہے اور نہ ہی تصویر کی طرح انہیں گرفت میں لیا جاسکتا ہے)؟ تماشہ کے طور پر جسے دیکھا اور سمجھا نہیں جاسکتا ہے، اس پر قابو بھی نہیں پایا جاسکتا۔ مزید برآں باپردہ خاتون کو دیکھ کر یورپی پریشان ہوجاتے ہیں: وہ یہ جانتے ہیں کہ انہیں عورتیں تو دیکھ رہی ہیں لیکن خود کو چھپائے ہوئی ہیں۔ یہ چیز ان عورتوں کو یورپیوں پر فوقیت عطا کرتی تھی۔ برتر اور کمتر کے مابین متوقع تعلقات کی یہ کایا پلٹ ہے...... نظر آئے بغیر کسی کو دیکھنا۔ میری بحث کا بنیادی نکتہ یہی ہے کہ یہی یورپیوں کی ان کے خلاف جوابی کارروائی تھی۔ انہوں نے حجاب پر حملہ کیا، انہوں نے اس کا استحصال کرنے کی کوشش کی، انہوں نے عورت کو دیکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ پینٹنگس اور تصویروں وغیرہ میں انہوں نے عورت کو برہنہ کرکے یا بے لباس کرکے پیش کیا۔ اس طرح مسلم عورت کو بے پردہ کرنے کی مہم کا آغاز ہوگیا۔

خاتمہ

'جدیدیت کی حقیقت' ہی کے باعث یورپی سیاحوں نے مشرق وسطیٰ میں حجاب پر حملہ کیا، کیوں کہ اس میں مفہوم کو مادی اشیا اور ظاہر ہونے والی غیر مادی ساخت کے درمیان فرق کے طور پر سمجھا جاتا ہے اور اس میں نظر جما کر دیکھنے پر زور دیا جاتا ہے۔ حجاب یورپی لوگوں کے لیے ایک رکاوٹ تھا جو مشرق کے متعلق مستشرقی تصور کے مطابق ایک منصوبہ کی تکمیل چاہتے تھے۔ یعنی مشرق فطری طور پر کمتر ہے اور مغرب کو چاہیے کہ اسے مہذب بنائے۔ نوآبادیاتی بحث نے مشرق کی پستی کے تصورات کو پیش کیا اور اس نوآبادیاتی بحث میں عورت کی حیثیت کو ترقی کے ایک اہم مرحلے کے طور پر پیش کیا۔ مقامی اشراف نے جدید کاری کی کوششوں میں اپنی بعض روایات جیسے حجاب اور حرم وغیرہ کے متعلق یورپی فہم کو قبول کر لیا۔ حجاب کے قدیم و ماقبل جدید مفہوم یعنی پاکدامنی، دولت یا مقام و مرتبہ میں اس مفہوم کا بھی اضافہ کر دیا گیا کہ حجاب ظلم اور پسماندگی کی علامت ہے۔ حجاب کے نئے مفہوم نے پرانے مفہوم کو تبدیل نہیں کیا بلکہ اسی مفہوم پر صرف ایک پرت چڑھا دی گئی اور اسے کسی فرد کی طبقاتی حیثیت سے منسوب کر دیا گیا۔ اس طرح مغرب پرست اقلیتی اشرافیہ اور غیر مغرب پرست اکثریتی غیر اشرافیہ طبقے کے درمیان تفریق بڑھ گئی۔ جیسا کہ احمد نے استدلال کیا ہے کہ ''حجاب کے متعلق بحث نوآبادیاتی تسلط کی تاریخ، مزاحمت اور اس کے اطراف ہونے والی طبقاتی کشمکش سے عبارت ہے۔''[9] یہی محرکات آج بھی مسلم دنیا میں کشمکش کو ابھار رہے ہیں۔

باب دوم

ٹورنٹو میں حجاب پہننے کے نظریات و تجربات

جب میں نے حجاب پہننا شروع کر دیا تو اس کے بعد ہی معلوم ہوا کہ مانٹریل، کیوبیک، کناڈا میں دو لڑکیوں کو ان کے اسکول میں اسکارف نکالنے سے انکار پر گھر بھیج دیا گیا۔[10] اس واقعہ کے باعث پورے کناڈا میں حجاب کے مفہوم اور کناڈا کے سماج میں اس کی حیثیت کے متعلق مباحث شروع ہو گئے۔ اسکارف کے مفہوم پر کناڈا میں یہ تنازعہ دراصل ایک 'اجنبی' روایت ہونے کی بنا پر تھا، جس کے متعلق کناڈا کے عوام کو یہ طے کرنا تھا کہ اسے (حجاب) 'مستند' تسلیم کیا جائے یا نہیں۔ کناڈا کے ایک براڈ کاسٹنگ کمیشن (CBC) نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ میں یہ سوال پوچھا کہ: ''کناڈین ہونے کے لیے کیا حجاب کو 'حل پذیری کے امتحان سے گزرنا ہوگا؟''[11] جن دو لڑکیوں کو اسکول سے خارج کر دیا گیا تھا ان کی پیدائش اور پرورش کناڈا ہی میں ہوئی تھی لیکن انہیں غیر متعلق کر دیا گیا۔ دی گلوب اینڈ میل میں جیفری سمسن (Jeffery Simpson) کے مضمون میں یہ بحث کی گئی ہے کہ اگر مسلم خواتین چاہتی ہیں تو انہیں حجاب پہننے کا حق ہونا چاہیے۔[12] اس پر دو خواتین کی جانب سے غضبناک ردعمل سامنے آیا کہ حجاب مسلم خواتین پر ظلم کی ایک ''واضح'' علامت ہے۔[13]

ان مقبولِ عام مباحثوں میں خود ان مسلم خواتین کی رائے سامنے نہیں آسکی جو حجاب اوڑھتی تھیں۔ یہ باب بعض باپردہ کناڈین عورتوں کی رائے کو پیش کر کے اس خلا کو پُر کرنے کی ایک کوشش ہے۔ میں ان کے خیالات کے بارے میں یہ نہیں کہتی کہ یہ 'سارے مسلمانوں' کے خیالات ہیں۔ میرا مقصد صرف حجاب کے متعلق بعض مسلم خواتین کے خیالات کا مکمل طور پر ادراک حاصل کرنا تھا۔ میں نے مئی اور جولائی 1996 کے دوران کناڈا میں ٹورنٹو کے

عظیم تر علاقہ، اونٹاریو (Ontario) میں رہنے والی پندرہ سنی خواتین اور ایک اسماعیلی فرقہ کی خاتون سے انٹرویو لیا۔ ان سولہ خواتین میں سے چھ نومسلم تھیں۔ دس خواتین (جن میں پانچ نومسلم تھیں) ہمیشہ باحجاب رہتی تھیں اور پانچ کبھی کبھی اس کا اہتمام کرتی تھیں۔ ان سب میں صرف دو خواتین ایسی تھیں جنہوں نے یہ کہا کہ انہیں مستقبل میں بھی ہر وقت حجاب پہننے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ پندرہ سنی خواتین میں سے صرف ایک خاتون پنج وقتہ نماز کی پابند نہیں تھی جب کہ باقی (بشمول نوحا، جو اسماعیلی فرقہ سے تھی اور اپنے فرقہ میں سرگرم تھی) خواتین کو دوسرے لوگ 'مذہب پرست' سمجھتے تھے۔[14] اس کی وجہ سے وہ شمالی امریکہ کے مسلمانوں کی ایک چھوٹی اقلیت کا حصہ بن گئے جو پابندی سے مسجدوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ شمالی امریکہ کے مسلم علما کے بقول ان کی تعداد 5-1 فیصد ہے۔[15] جن خواتین سے انٹرویو لیا گیا ہے ان کے ناموں کو مخفی رکھنے کے لیے میں نے انہیں فرضی نام دیے ہیں۔

حجاب کے نظریات

ا۔ حجاب کس لیے؟

حجاب میں رہنے والی مسلم خواتین کو کناڈا کے لوگ بعض اوقات یہ کہتے تھے کہ ''یہ کناڈا ہے، یہاں تم آزاد ہو، اس چیز کو تمہارے سروں پر پہننے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس طرح کے تبصروں کا نشانہ بننا مخاطب کے انداز گفتگو کے لحاظ سے کبھی فرحت یا کبھی غصہ کا باعث ہوتا تھا۔

جنوبی ایشیاء سے انڈر گریجویٹ کی تعلیم حاصل کرنے والی نور کو اس وقت انتہائی صدمہ ہوتا ہے جب وہ لائبریری کے کیفے ٹیریا میں ایک عمر رسیدہ خاتون کے قریب پہنچتی ہے تو وہ معاندانہ انداز میں اس سے کہتی ہے کہ نور ''تم کناڈا میں پسماندگی کیوں لا رہی ہو''۔ وہ

خاتون اس بات پر زور دے رہی تھی کہ ''حقوق نسواں کے لیے انہوں نے واقعی سخت محنت کی ہے'' اور حجاب کا استعمال ''ان تمام کو برباد کردے گا''۔ ایک مرتبہ نور نے اسے کہا کہ وہ کوئی ایسی بات نہیں کرے گی جس سے کوئی راغب ہو سکے یا وہ خود کو ''نفرت کا آسان نشانہ'' نہیں بنائے گی۔ اس نے کہا کہ ''یہ ایک مذہبی چیز ہے''۔ وہ عورت گرچہ خاموش ہوگئی لیکن وہ اب بھی مطمئن نہیں تھی۔ غالباً اس کا یہ خیال تھا کہ نور کو حجاب نہیں پہننا چاہیے، چاہے وجہ کچھ بھی ہو۔

نور کناڈا میں حجاب کیوں پہنتی ہے کناڈا کی غیر مسلم عورتوں کے سامنے وہ اس کی وضاحت کی کوشش میں مذہبی وجوہات بتاتی۔ جن سے میں نے انٹرویو لیا تھا اُن تمام (حتیٰ کہ ہر وقت حجاب میں رہنے والی خواتین کے برعکس کبھی کبھی حجاب پہننے والی اور مستقبل میں بھی اسے پہننے کی عدم خواہش کا اظہار کرنے والی فاطمہ) کا بھی یہ خیال ہے کہ یہ مذہب کا ایک جزو ہے۔ جب میں نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارا یہ خیال کیوں ہے کہ حجاب پہننا مذہب کا ایک جزو ہے؟ تو تمام لوگوں نے ایسے ہی الفاظ میں جواب دیا کہ ''یہ قرآن میں ہے''، ''قرآن میں خدا اس کا حکم دیتا ہے''، وغیرہ وغیرہ۔ بسیما ایک انگریز نومسلم ہے اس نے بھی اس حدیث کا حوالہ دیا کہ 'جب کوئی عورت بالغ ہو جاتی ہے تو اسے اپنے ہاتھ اور چہرے کے علاوہ سب کا پردہ کرنا چاہیے۔'

۲۔ روایتی (یعنی مرد جانبدارانہ) تعبیر؟

حجاب کے احیا کی تحریک سے متعلق اکثر تحقیقات ان خواتین اسکالرز کی تحریر کردہ ہیں جو خود حجاب نہیں پہنتیں۔ ان میں سے بیشتر اپنے انٹرویو دینے والوں کے اس دعوے پر طنز کرتی ہیں کہ قرآن پردے کا حکم دیتا ہے۔ ان محققین کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن صرف ایک باحیا لباس چاہتا ہے نہ کہ اس طرح کا پردہ جسے اسلام پسند بیان کرتے ہیں۔ اپنی تحقیق کو اس طرز پر ترتیب دینا ان خواتین کی بری خدمت ہے جن سے انہوں نے اپنے علمی مضامین کے لیے انٹرویو لیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان خواتین سے بہتر قرآن کی توضیح کر سکتی ہیں جن سے انہوں نے انٹرویو لیا تھا۔ قرآن کی تشریحات میں اختلافات تک رسائی کا بہتر

طریقہ وہ ہے جو کرم (Karam) نے مصری تانیثیت کے مطالعے کے لیے اختیار کیا ہے۔ تاہم قرآن نے پردے کا حکم دیا ہے، اسلام پسند خواتین کی اس تشریح سے وہ اتفاق نہیں کرتی ہیں، وہ ان کے طریقہ کار کو بہت زیادہ احترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے: ''یہ ایک عمدہ گرفت-۲۲ کی حالت (Catch-22 situation) تھی: میں ایک مسلم عورت کی حیثیت سے جس کی اسلامی عقائد کے ساتھ پرورش ہوئی ہو، اس قابل نہیں تھی کہ ان کی اسلامی بنیادوں (قرآن) کے جواز سے انکار کرسکوں، حالانکہ میں ان تشریحات کو قبول نہیں کرسکتی جنہیں وہ اپنے سماجی اثرات کے نتیجہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔''[16] کرم بتاتی ہے کہ حجاب استعمال کرنے والی اور نہ کرنے والی دونوں قسم کی خواتین اس بات پر متفق ہیں کہ دوسرے کو غلط جانکاری کے ذریعہ دھوکا دیا جاتا ہے۔[17]

یہ تصور مغرب میں بہت عام ہے کہ جو خواتین حجاب پہنتی ہیں وہ غلط آگاہی کی وجہ سے ایسا کرتی ہیں۔ جس وقت میں نے یونیورسٹی میں حجاب پہننا شروع کیا تو میری ایک ہم جماعت نے میری دوست کو بتایا کہ ''کیا وہ اس پر ہونے والے ظلم سے بے خبر ہے؟'' تاہم ان دنوں کوئی بھی عورت خاص طور پر جس نے مغرب میں پرورش پائی ہو وہ مسلم معاشرے کے اندر اور باہر پردے کے رواج سے متعلق بحث سے ناواقف رہ کر حجاب کو اختیار نہیں کرسکتی تھی۔ مسلم دنیا میں پردے کی ایک طویل روایت رہی ہے۔ اس پر حالیہ مباحث نسبتاً نئے ہیں جو مغرب کے ساتھ استعماری تصادم کے باعث شروع ہوئے۔ کناڈا میں رہتے ہوئے حجاب پہننے کا فیصلہ کرنا آسان کام نہیں ہے۔ وسیع النظر سماج کی جانب سے حجاب کے متعلق منفی تاثرات اور ہراسانی و امتیازی سلوک کے تجربات عام طور پر اس کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ جن پردہ کرنے والی خواتین سے میں نے انٹرویو لیا تھا انہوں نے اس کے استعمال اور روزانہ اسے پہنے رہنے کے متعلق حقیقی غور وفکر کے بغیر فیصلہ نہیں کیا تھا۔ حجاب کی از سر نو تحریک کے محققین نے دریافت کیا کہ عورتوں کے حجاب پہننے کے مختلف محرکات ہیں ان میں سیاسی احتجاج سے لے کر، معاشی اسباب، پاکدامنی وغیرہ شامل ہیں (دیکھیے باب سوم)۔ مجھے

انٹرویو دینے والوں نے قرآن کی مختلف تشریحات کا مطالعہ کیا اور اسی کا انتخاب کیا ہے جو انہیں زیادہ سمجھ میں آئی۔ ان تمام کا ماننا ہے کہ عورتوں کو اپنے سر کے بال ڈھانکنے کا حکم دینے والی قرآنی آیت بالکل واضح ہے۔

اسلام کے متعلق لوگوں کا تصور یہ ہے کہ یہ ایک برا مذہب ہے جو عورت پر تشدد اور ظلم کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ میرے مطالعہ کے مطابق حجاب عورت کے لیے نہ تو ظلم کی علامت ہے اور نہ ہی دہشت گردی کی، بلکہ یہ ''عفت''، ''شرم وحیا''، ''عورت کی اسلامی شناخت'' اور ''خدا کی اطاعت یا بندگی اور اس شہادت کی علامت ہے کہ تم مسلم ہو۔'' اپنے حجاب میں وہ خود کو پُر امن محسوس کرتی ہیں اور اسے پہن کر خوش ہوتی ہیں۔ حجاب کے متعلق ان کا پختہ یقین ہے کہ یہ سماج کے لیے مفید ہے۔ کیونکہ حجاب مردوں اور عورتوں کے اختلاط کو ''ختم کر دیتا ہے''، اس کی وجہ سے وہ یہ محسوس کرتی ہیں کہ ان کے ساتھ کسی جنسی شئے نہیں بلکہ ایک ذی روح شخصیت کا برتاؤ کیا جاتا ہے اور ایک ایسے سماج میں جس میں عورت باپردہ ہوتی ہے بغض اور حسد کے منفی جذبات کم ہوتے ہیں۔ اگر حقوقِ نسواں کے طریقہ تحقیق اور تجربات کی علمیاتی بنیادیں علم کے لیے کسی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں تو حجاب کے ان مفاہیم پر سنجیدگی سے غور کیا جانا چاہیے اور 'غلط' عقائد پر جمے رہنے کی وجہ سے عورت کی تضحیک نہیں ہونی چاہیے۔

باب سوم

حجاب کے متعدد مفہوم

حجاب کی اس سماجیاتی پیچیدگی کو مغرب کی روایتی حکمت سمجھ نہیں پائی جو یہ سمجھتی ہے کہ اسلام میں حجاب (اگر یہ صرف ایک ہی قسم کا ہو) عورت پر ظلم ہے۔ اس کتاب میں میں نے مغرب کے اس عام مفروضے کو چیلنج کیا ہے کہ ہر عورت کسی دباؤ یا جبر کی وجہ سے اسکارف پہنتی ہے اور اسکارف اسلام میں اس کی مظلومیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس باب میں حجاب کے مختلف مفاہیم پر روشنی ڈالی گئی ہے تا کہ کوئی قاری صرف اس کے کسی ایک معنی کو نہ پڑھے اور 'حجاب ایک ظلم ہے' کے تصور کی وجہ سے خواتین کے ساتھ مغرب میں جو ناانصافی ہو رہی ہے اسے منظر عام پر لایا جائے۔ (مثلاً حجاب کے باعث فرانس اور کیوبیک میں مسلم لڑکیوں کو اسکول سے خارج کر دیا گیا اور ملازمتوں میں مسلم خواتین کے ساتھ امتیازی سلوک یا انہیں ہراساں کیا جاتا ہے)۔ یہاں دوسرے ممالک میں مسلم خواتین کے حجاب پہننے کی روایت کا تجزیہ کیا گیا ہے تا کہ حجاب کے مختلف مفاہیم کو پیش کیا جا سکے جو سیاق و سباق اور انفرادی فرق کے مطابق تبدیل ہوتے ہیں۔ میں نے حجاب کے متعلق علمی تحقیق کے ذریعے سات مرکزی موضوعات کو ترتیب دیا ہے تا کہ حجاب کے متعلق عورت کے مختلف محرکات کا احاطہ کیا جائے، وہ کچھ اس طرح ہیں: انقلابی احتجاج، سیاسی احتجاج، مذہبی، عوامی حلقہ میں مستقل رسائی، ذاتی شناخت کا اظہار، رواج اور حکومتی قانون۔ جن مرکزی خیالات کی میں نے نشاندہی کی ہے ان میں بعض فطری طور پر ایک دوسرے سے ملے ہوئے بھی ہیں، ایک ہی عورت پر ان میں ایک سے زائد کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ میں نے اگلے باب میں حجاب کے ان موضوعات کو پیش کیا ہے جنہیں ان مطالعات سے اخذ کیا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد میں نے

حجاب کے اس مفہوم پر نظر ڈالی ہے جسے عام طور پر موجودہ مغربی میڈیا اس سے منسوب کرتا ہے۔اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مغرب میں میڈیا نے حجاب کی جو تصویر پیش کی ہے وہ بے حد منفی قسم کی ہے اور عورتوں کے تناظر سے یہ بہت ہی کم مطابقت رکھتی ہے۔

حجاب پہننے کے اسباب

(۱) انقلابی احتجاج: 1950 کے دہے میں الجزائر کی جنگِ آزادی کے دوران اور ایران میں 1970 کے دہے میں جو خواتین پہلے حجاب کا استعمال نہیں کرتی تھیں وہ ظالمانہ حکومتوں کے خاتمے کے لیے حجاب یا چادر کا استعمال کرنے لگیں۔[18] سر کا اسکارف اس بات کو ظاہر کرتا تھا کہ وہ نو آبادی حکمرانوں یا مغرب دوست اشرافیہ کی حکومت کے خلاف ہیں۔

(۲) سیاسی احتجاج: خواتین اشرافیہ کی جانب سے مغرب کاری کے پروگراموں اور مغرب کے نوسامراجی نظام کے خلاف سیاسی احتجاج کے طور پر حجاب کا استعمال کرتی تھیں اور یہ اشارہ تھا کہ وہ موجودہ سیاسی صورتحال سے ناخوش ہیں۔اس میں حکومت کی وضع کردہ پالیسیاں اور ان کے ممالک پر مغرب کی معاشی، تکنیکی، سیاسی وسماجی جارحیت شامل تھی۔[19]

(۳) مذہبی: مغرب پرستی اور لادینیت کے خلاف سیاسی احتجاج کا ایک لازمی جزو اسلام کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ وہ ایک قابلِ عمل اور مثبت متبادل سیاسی، سماجی ومعاشی نظام ہے۔بیشتر خواتین نے مردوں اور عورتوں کو 'اسلامی طرزِ لباس' کے اختیار کرنے کی اس عالمی تحریک کی دعوت کی بنیاد پر حجاب کے استعمال کا فیصلہ کیا۔[20]

(۳-ا) بہتر سماج کی تعمیر: مغرب پرستی اور سیکولرازم کی تردید اور اسلام کو متبادل کے طور پر اپنانے کے موضوعات کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی اثر انداز ہوتی تھی کہ حجاب میں رہنے والی عورت کو سماج کے بہتر بنانے میں فعال کردار ادا کرنے کا احساس ہوتا تھا۔اس نقطۂ نظر سے حجاب مثالی طور پر سماجی طبقات کی برابری کو ظاہر کرتا ہے۔[21] ولیمز (Williams) کی تحقیق ہے کہ مصری خواتین معاشرہ کی اصلاح کے لیے، اسے زوال پذیری سے بچانے اور انہلال (بدکاری، انتشار) کو روکنے کے لیے حجاب اختیار کرتی ہیں۔[22]

(۴) عوامی مقامات تک مستقل رسائی: ایسا نہیں ہے کہ حالیہ برسوں میں جن خواتین نے اپنے چہروں کو ڈھانکنا شروع کیا ان میں کی ساری خواتین نے مذہبی عقیدے کی بنیاد پر ایسا کیا ہے۔ان خواتین نے، جن میں سے بعض نے کبھی عبادت نہیں کی، یہ محسوس کیا کہ حجاب سے عوامی مقامات تک رسائی اور آنے جانے میں، حصولِ ملازمت، عزت واحترام کے حصول اور مردوں کی ہراسانی سے مقابلے میں سہولت ہوتی ہے۔[23]

(۵) اپنی شناخت کا اظہار: مسلم خواتین کا بالخصوص مغرب میں حجاب پہننے کا ایک اور سبب اپنی شخصی شناخت کا اظہار ہے۔جیسے نادیہ، یہ دوسری نسل کی برطانوی ایشیائی نژاد خاتون ہے جس نے سولہ سال کی عمر میں اپنا چہرہ ڈھانکنا شروع کیا۔وہ کہتی ہے''حجاب پہننے پر میں اپنے آپ کو کچھ خاص محسوس کرتی ہوں، یہ ایک طرح سے شناخت کا نشان اور اس بات کی علامت ہے کہ میرا مذہب میرے لیے اہمیت کا حامل ہے۔''[24]

(۶) رواج: کئی مسلم خواتین اپنے خاندان یا معاشرے کے رسم و رواج اور تہذیب کے احترام میں حجاب پہنتی ہیں۔سعودی عرب کی ایک 35 سالہ ٹیچر، جس نے امریکہ سے تعلیم وتدریس میں بی اے کیا ہے، کہتی ہے:''ہاں، میں اپنے یقین کی وجہ سے حجاب پہنتی ہوں۔''المنجد نے پوچھا کہ''تمہارے اس یقین کی بنیاد کیا ہے؟''تو اس نے جواب دیا کہ''میں اپنی روایات سے وابستہ ہوں۔حجاب پہننا سعودی خاتون کی شناخت کا ایک جزو ہے۔سعودی تہذیب کے اصول واقدار کے ساتھ کسی کے وابستہ ہونے کا یہ ایک واضح ثبوت ہے اور یہ میں اپنی بیٹی کو بھی سکھاؤں گی۔''[25]

(۷) ملکی قانون کی پابندی: بعض ممالک میں قانوناً پردہ کرنا ضروری ہے۔جیسا کہ 1979 میں انقلاب کے بعد ایران میں اور 1998 میں افغانستان پر طالبان کے اقتدار میں آنے کے بعد ہوا۔

حجاب کے معنی: مغربی میڈیا کا نقطۂ نظر

حجاب کے حقیقی مفہوم اور اس کے محرکات کی سماجی پیچیدگیوں اور حجاب کے معنی اور

اس کے محرکات کے متعلق مغربی میڈیا کی عمومی تصویر کے درمیان فرق کو بڑی آسانی کے ساتھ واضح کیا جا سکتا ہے۔ مغربی میڈیا کے نزدیک حجاب سے مراد کم وبیش ایک قسم کی ظلم و بربریت اور اسلام کی تمام وحشت ناکیوں (جسے آج اسلامی بنیاد پرستی کہا جاتا ہے) یعنی دہشت گردی، تشدد، بربریت اور پسماندگی کا اجمالی اظہار ہے۔ یہ ایک بنا بنایا سانچہ ہے جس میں سامراجیت کی جزئیات کو ڈھال دیا گیا ہے۔

جس طرح نوآبادیاتی دور میں حجاب سارے مشرق کا ایک استعارہ تھا، اسی طرح 1990 کے دہے میں لفظ 'حجاب' اسلامی بنیاد پرستی کی مذکورہ بالا تمام ہولناکیوں کا اجمالی اظہار تھا۔ ان دنوں اخبارات کی سرخیاں اس طرح شائع ہونے لگیں: ''اسلام کا چھپا ہوا (باحجاب) خطرہ''[26]؛ ''باحجاب عورت: اسلامی انتہاپسند عورتوں کو سرکاری غلامی میں ڈھکیل رہے ہیں''[27]؛ ''حجاب - ایک منصوبہ: کس طرح اسلام پسند ہمارے اندر سرایت کر رہے ہیں؟''[28]؛ اسلام کا پوشیدہ (باحجاب) خطرہ''[29]؛ ''ایک مذہبی فعل یا سماج کے لیے چھپا ہوا (حجابی) خطرہ؟''[30]؛ ''مسلم حجاب فرانسیسی اسکولوں میں ہم آہنگی کے لیے خطرہ: وزیر کا بیان''[31]؛ ''نیا قانون: حجاب پہنو اور زندہ رہو''[32]؛ ''عورت حجاب میں قید''۔[33]

اس طرح حجاب کو اسلام میں عورت کے کمتر درجہ کے اصولوں سے جوڑا گیا۔ ''حجاب'' کو عورت پر ''ظلم وجور کی وحشیانہ علامت سمجھا جاتا رہا''[34]، رشوت[35] یا دھمکیوں اور حقیقی تشدد جیسے مختلف طریقوں سے ان خواتین پر دباؤ ڈالا گیا جنھوں نے حجاب کو بے دلی سے اختیار کیا تھا۔[36] تاہم ہم نے دیکھا کہ مسلم ممالک کی بے شمار خواتین خوش دلی اور پورے یقین کے ساتھ حجاب پہنتی ہیں۔ اسکراگنس (Scroggins)، گڈون (Goodwin) اور بروکس (Brooks) کی تحریروں میں ان خواتین کو سب سے زیادہ بیوقوف، سادہ لوح یا ناسمجھ گردانا گیا اور سب سے خراب بات تو یہ ہے کہ اس عورت مخالف نظریہ کی تائید کرنے میں مسلم مفکر بھی اتنے ہی ذمہ دار اور مجرم ہیں جتنے عام لوگ تھے۔[37] حجاب سے متعلق مذکورہ بالا علمی تحقیقات میں جن نوجوانوں پر گفتگو کی گئی ہے انہیں گڈون (Goodwin) کی تحقیق میں اس

طرح پیش کیا گیا کہ وہ اپنی عمر اور سماجی و معاشی حالات کی وجہ سے با آسانی 'انتہا پسندی' کی جانب راغب ہوجاتے ہیں۔ اس (گڈون) کی وہ ''بڑی اکثریت' 'ان انٹرویوز میں یقیناً غائب ہوگئی جو مذکورہ بالا اسکالروں کی جانب سے لیے گئے تھے۔[38] بروکس (Brooks) نے انہیں تاریک مستقبل کا نقیب بتایا ہے، جو اپنے ملک کو پسماندگی کے دور میں دھکیل رہے ہیں۔ ان تحقیقی مطالعات میں کوئی بھی انتباہ یا نازک پہلو نہیں پائے جاتے۔ مثال کے طور پر میکلیوڈ (Macleod) کے مطابق قاہرہ میں نچلے درجہ کے طبقات میں حجاب کا نیا رجحان راست طور پر مصر کی اسلامی تحریک سے جڑا ہوا نہیں ہے یا ظہر (Zuhur) اور رُف (Rugh) معاشی و سماجی حالات کے بجائے پاکدامنی پر زور دیتے ہیں[39] یا جاوا کی خواتین کے متعلق بریز (Brener) کا تاثر ہے کہ اعتدال پسند اور جدیدیت پسند خواتین اپنے آپ کو پھر سے حجاب کی طرف لوٹا رہی ہیں اور اپنے معاشرے کو سدھار رہی ہیں۔[40]

باب چہارم

مرنیسی (Mernissi) اور حجاب پر بحث ومباحثہ

مغرب میں حجاب کے مفہوم کے لیے مراکشی حقوقِ نسواں کی کارکن فاطمہ مرنیسی کی دو کتابوں، 'حجاب کے پرے' (Beyond the Veil) اور 'حجاب اور مرد اشرافیہ' (Veil and the Male Elite) کا کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔[41] ان دونوں کتابوں میں مرنیسی نے یہ بحث کی ہے کہ حجاب عورتوں پر مردوں کی غیر منصفانہ حاکمیت کی علامت ہے۔ چونکہ میری کتاب کا مقصد اس تصور کی بیخ کنی کرنا ہے کہ 'حجاب ظلم ہے' اس لیے ان دو کتابوں میں مرنیسی کی جانب سے پیش کیے گئے اہم دلائل کو رد کرنا ضروری ہے۔

مرنیسی اور طریقہ کار

ایسا لگتا ہے کہ مراکش میں پروان چڑھنے کی وجہ سے فاطمہ مرنیسی کو جو شخصی صدمہ پہنچا وہ اس کی بیشتر تحریروں کی سطح پر ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ مرنیسی کی خودنوشت سوانح حیات میں مذکور ایک واقعہ حجاب سے ان کے تعلق کو بہت ہی عمدگی کے ساتھ واضح کرتا ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران جبکہ مرنیسی کی عمر نو برس سے بھی کم تھی، وہ اور ان کی چچازاد بہنیں اس نتیجہ پر پہنچیں کہ انہیں ہائی ہٹلر (Hi-Hitler) سے بچنے کے لیے اپنے بالوں کی رنگت کو تبدیل کرنا یا انہیں چھپانا ہوگا، کیوں کہ وہ ''سیاہ بال اور سیاہ آنکھوں سے نفرت کرتا تھا اور جہاں بھی سیاہ بالوں والی آبادی نظر آتی تھی اس پر جہازوں کے ذریعہ بمباری کرتا تھا۔''[42] مرنیسی نے اپنی ماں کا ایک اسکارف پہننا شروع کر دیا تھا، وہ اسے اپنے سر سے اسی وقت ہٹاتی تھی جب اس کی ماں غصہ کرتے ہوئے اس پر چلاتی تھی کہ: ''کیا تم نے کبھی اپنے سر کو

ڈھانکا ہے!''۔ وہ کہتی ''کیا تمہیں میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے؟ ہرگز نہیں! میں حجاب کے خلاف لڑ رہی ہوں اور تم اسے اختیار کر رہی ہو؟ یہ کیا حماقت؟ ماں نے کہا: ''دنیا کا یہ طاقت ور بادشاہ، ہائی ہٹلر اگر تمہارے پیچھے پڑا ہوا ہے تو تمہیں برہنہ سر اس کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ اپنے سر کو ڈھانکنے اور چھپانے سے تمہیں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ اپنی شناخت کو چھپانے سے کسی عورت کا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے تو عورت ایک آسان شکار سمجھی جائے گی۔ اپنے سروں کو ڈھانکنے کی وجہ سے تمہاری دادی کو اور مجھے کافی مشقتیں جھیلنی پڑیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں اور میں چاہتی ہوں کہ میری بیٹیاں بھی اپنے سر بلند کر کے رہیں اور اپنی نظریں ستاروں پر جما کر اللہ کی زمین پر چلیں''۔[43]

ان حالات میں ایک کمسن بچی کے ذہن میں حجاب کے متعلق مبہم (یا منفی) رجحان کے علاوہ اور کونسا رویہ پروان چڑھ سکتا ہے؟ کیا کوئی نوعمر عورت یہ طے کرسکتی ہے کہ اسے حجاب استعمال کرنا چاہیے قطع نظر اس سے کہ اسے پسماندہ یا قوم دشمن سمجھا جائے؟ مرنیسی پر اب بھی ان تلخ یادوں کا اثر پایا جاتا ہے اور اس کی ساری تحریریں دراصل اس کی تکلیف کے اسباب کی تلاش اور تبدیلی و علاج کا راستہ ہے۔ اس طرح کے نظام کی مخالفت کون نہیں کرے گا؟ یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ جب اس نے اپنے قبیلے کی عورتوں کو دیکھا جنہیں ناخواندہ رکھا گیا اور باہر جاتے وقت انہیں اپنے چہروں پر نقاب ڈالنا پڑتا تھا تو اس نے حجاب اور عورت پر ظلم کو یکساں سمجھ لیا۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ مرنیسی نے مراکشی معاشرے میں حجاب پہننے کے اپنے تجربے کو حجاب کے حقیقی تجربے یا اس کے فطری اور اصل مفہوم کے مساوی قرار دے دیا۔ اس بات پر مزید تفصیلی وضاحت میں بعد میں کروں گی کہ مرنیسی دراصل حجاب پر عمل کے متعلق اسلامی رواجوں کی کثرت (اسی لیے باب سوم میں اس کے معنی بتلا دیے گئے ہیں) اور حجاب کے متعلق اسلامی مباحث کی بہتات دونوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ وہ ایک غیر تاریخی انداز کو اختیار کرتے ہوئے بیسویں صدی میں مراکش کے سماجی/ سیاسی/ معاشی نظام کو ساتویں صدی کے عرب کے نظام کے مساوی قرار دیتی ہے اور اس کا یہ

نقطۂ نظر ہے کہ بیسویں صدی کے دوران مراکش میں جو کچھ واقع ہوا اسے نبی اکرمؐ نے مثالی اسلام کے مثبت تصور کے طور پر پیش کیا تھا۔ مراکش میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے مرنیسی مسلم دنیا میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات سے جوڑ دیتی ہیں اور مسلمانوں کے سماجی نظام میں حجاب کے معنی پر بحث کرتے ہوئے یہ کہتی ہیں کہ گویا انڈونیشیا، بنگلہ دیش، مراکش، سعودی عرب وغیرہ ساتویں صدی میں عرب کے اولین مسلم معاشرہ کی طرح کے معاشرے ہیں۔[44]

چنانچہ مرنیسی سے میرے بنیادی اختلافات دو طرح کے ہیں: (۱) مذہبی علامتوں کے مفہوم کا غیر تاریخی انداز جس کے تحت وہ اس امر میں ناکام رہی ہیں کہ مختلف ادوار اور علاقوں میں اسلام پر مختلف انداز سے جو عمل کیا گیا اس کے پس منظر کو مربوط کر سکے اور (۲) تخفیفی انداز جو حجاب پر ایک سے زائد نقاط نظر کو تسلیم نہیں کرتا۔ 'حجاب اسلام میں عورت پر ظلم کی علامت ہے' اس دقیانوسی تصور کے سدباب کے لیے یہ سوال انتہائی برمحل ہے کہ اسلام اسی طرح کا معاشرہ چاہتا ہے جسے مرنیسی عورت دشمن قرار دے کر اس کی مذمت کرتی ہے یا کچھ اور متبادل تصورات بھی ہیں جو عورت کے حق میں بہت زیادہ بہتر ثابت ہوں؟ اس باب میں، میں یہ بحث کروں گی کہ عورت کے بارے میں اسلام کے نقطۂ نظر کے متعلق مرنیسی کے دلائل اسلام کے بنیادی ماخذات یعنی قرآن وسنت سے ٹکراتے ہیں۔ مرنیسی کے ساتھ میری بحث مسلم معاشروں میں عورت پر جابرانہ طرز عمل یا عورت سے متعلق ان کے تصورات سے انکار کے لیے نہیں ہے۔ ان کے ساتھ میرا اختلاف اصولی اسلام (عورت کے متعلق قرآن کا نظریہ عورت مخالف ہے یا نہیں؟) کے متعلق ہے۔ قرآنی نقطۂ نظر کی وہ تشریح جو کہ عورت کے موافق ہے، مرنیسی کے نقطۂ نظر اور عورت کے مظلوم ہونے کی کسی بھی دوسری قرآنی تشریح دونوں کو رد کرتی ہے۔

عورت اور جنسیت قرآن وسنت کی روشنی میں

حجاب کے خلاف مرنیسی کا معاملہ ان کے اس خیال پر مبنی ہے کہ اسلام عورت کی جنسیت کو خطرناک سمجھتا ہے، لہٰذا اس کو قابو میں رکھنا ضروری ہے۔ وہ مزید یہ کہتی ہیں کہ

'نسوانیت' اسلام کی نظر میں غیر الٰہی یا نجس ہے اور یہ کہ اسلام شوہر اور بیوی کے درمیان فطری میلان کے خلاف ہے۔ عورت کی ذات مرد کے خدا سے تعلق کے لیے ایک خطرہ ہے اس لیے اسے پردہ کرنا چاہیے اور مسلم معاشرہ میں گوشہ گیر اور الگ تھلگ رہنا چاہیے۔[45]

قرآن وسنت کے گہرے مطالعے سے ان دلائل کی کمزوری واضح ہو جاتی ہے۔ ونٹر (Winter) کے مطابق اسلام میں ''جنس کے متعلق مثبت رویہ'' پایا جاتا ہے جسے اس نے امام نووی کے اس بیان سے واضح کیا ہے: ''تمام خواہشات دل کو سخت کر دیتی ہیں، سوائے جنسی خواہش کے جو اسے نرم کر دیتی ہے۔''[46] عورت کے خطرناک جنسی مخلوق ہونے سے متعلق قرآن میں کہیں کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کے برخلاف عورت اور مرد کے بنیادی طور پر ایک جیسے ہونے کا ذکر ملتا ہے، جنہیں ایک ہی روح سے پیدا کیا گیا اور دونوں کو اسی خدا نے زندگی عطا کی ہے (لہٰذا، اسلام کس طرح نسوانیت کو غیر الٰہی قرار دے سکتا ہے؟)۔ قرآن ازدواجی محبت اور خوشگوار باہمی تعلقات پر زور دینے والی آیتوں سے بھرا پڑا ہے؛ حیرت ہے کہ انہوں نے ان آیتوں کو نظر انداز کر دیا (مثلاً: سورہ الروم آیت: 21)۔ شوہر اور بیوی کے درمیان باہمی محبت، ایک دوسرے کا خیال، ہمدردی اور مودت کی قرآنی تصویر مرنیسی کے اس نقطۂ نظر سے بالکل مختلف ہے، جس میں وہ کہتی ہیں: ''اسلامی نظام تہذیب وتمدن کے جان لیوا دشمن کی حیثیت سے بالعموم مرد وعورت کے درمیان اور بالخصوص شوہر وبیوی کے درمیان محبت کی مذمت کرتا ہے۔''[47]

اسلام میں جسم اور اس کی خواہشات کے متعلق کہا گیا کہ یہ کوئی گناہ یا ناپسندیدہ نہیں ہیں۔ عورت اگرچہ زوال میں شریک رہی ہے لیکن اسے (آدمؑ کو) جنت سے نکالے جانے کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا گیا۔ یہ کوئی اصل گناہ نہیں تھا (خدا نے انہیں فوراً معاف کر دیا) اور اس فعل کی وجہ سے کوئی بھی خباثت اس کے ساتھ منسوب نہیں کی گئی جس طرح دوسری مذہبی روایات میں کیا گیا۔ خواہش بجائے خود نہ تو شیطانی جذبہ ہے اور نہ ہی یہ نیکی کے لیے رکاوٹ بنتی ہے۔ حالات اور پس منظر نیکی کو متعین کرتے ہیں۔ جیسا کہ نکاح کے ذریعے جنسی خواہش

کی تکمیل کو روا رکھا گیا اور ثواب قرار دیا گیا جب کہ نکاح کے بغیر جنسی خواہش کی تکمیل سے منع کیا گیا اس پر سزا رکھی گئی ہے۔ مومن کی زندگی کا ہر فعل عبادت ہو سکتا ہے اگر اسے صحیح نیت و ارادے سے کیا جائے۔ چنانچہ اگر جنسی فعل جائز طریقے سے انجام دیا جائے تو یہ اللہ اور عورت کے درمیان رقابت کی بجائے مرد و عورت دونوں کے لیے خدا کی طرف سے انعام کا موجب بنتا ہے۔ اس طرح حجاب کسی ایسے عقیدے کی علامت نہیں ہے جو (اصولی طور پر) عورت مخالف ہو اور نسوانیت کو ختم کرنا چاہتا ہو یا عورت کو ایمان والوں کی صف سے خارج کر دیتا ہو۔

خاتمہ

باب سوم میں عورتوں کے خیالات و افعال کے تجزیے اور باب دوم میں میری جانب سے لیے گئے انٹرویوز کے ذریعے مرنیسی کے اس استدلال کی تردید کی گئی کہ حجاب عورت کو عقیدے، عوامی مقامات وغیرہ سے خارج کر دیتا ہے۔ مرنیسی نے اپنی تحریروں میں باپردہ خواتین کے خیالات کو نظر انداز کر کے اور انہیں صرف بے عمل متاثرین بنا کر 'باحجاب عورت' کے متعلق محض نو آبادیاتی نقطۂ نظر اور مستشرقین کے خیال کو پیش کیا ہے۔ اس کا نظریہ تخفیفی ہے جس میں پردے کی سماجی پیچیدگی سے صرفِ نظر کیا گیا ہے۔

اس کا یہ مفروضہ کہ 'اسلام میں نسوانیت اور الوہیت کے درمیان تضاد ہے اسی وجہ سے عورت کو حجاب میں ڈھانپ کر الگ تھلگ کر دیا گیا (اسی لیے وہ کمتر ہے)' اگر میرے استدلال کے مطابق غلط ہے تو پھر حجاب کے معنی بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔

باب پنجم

حجاب کا متبادل نظریہ

اس کتاب کا ایک اہم نکتہ یہ واضح کرنا ہے کہ سماجی پس منظر بھی حجاب سے منسوب معنی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس باب میں، میرا مقصد اکیسویں صدی کے سرمایہ دارانہ صارفیت کلچر کے لیے حجاب کے مفہوم کا ایک مثبت نظریہ کی تشکیل کرنا ہے۔ میرا استدلال یہ ہے کہ چونکہ سرمایہ داریت جسم اور مادہ پرستی پر زور دیتی ہے اس لیے حجاب کا استعمال عورتوں کے لیے بااختیار بنانے اور انہیں آزادی فراہم کرنے کا تجربہ ثابت ہوسکتا ہے۔ میں نے مردوں کی نظروں اور سرمایہ داریت کی جانب سے عورت کے جسم کو مالِ تجارت بنانے کے تعلق سے حقوقِ نسواں کے علمبرداروں کے دلائل کا تجزیہ کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ حجاب ان دونوں ضرر رساں پہلوؤں سے مقابلہ کرنے کا ایک طاقتور ذریعہ ہے۔ اس باب کے حصہ C، D اور E میں، میں نے حجاب پر کی جانے والی بعض عام تنقیدوں کی تردید کی ہے۔ جیسے حجاب ایک ایسا لباس ہے جو نسوانیت کا گلا گھونٹ دیتا ہے، عورت کو صرف جنسی تسکین کی شئے کے طور پر پیش کرتا ہے اور انہیں اپنی پسند کے حق سے روکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ باب حصہ F پر مکمل ہوتا ہے جس میں حجاب کو ایک ایسی مذہبی روایت کے باب الداخلہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس سے وابستگی جدید مادہ پرستی کے تباہ کن اثرات کا مقابلہ کرنے میں مدد کرتی ہے۔

(A) حجاب اور آزادی اور (B) حجاب اور مردوں کی نگاہیں

مین اسٹریم صحافت کے لیے لکھتے ہوئے ناہید مصطفیٰ اور سلطانہ یوسف علی نے حجاب کو مغرب کے مقبول عام صارفی کلچر کے ظالمانہ پہلوؤں سے آزادی کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس میں انہوں نے حامیانِ حقوقِ نسواں کے دو تجزیوں کو استعمال کیا ہے۔[48] اول،

سرمایہ دارانہ کلچر میں عورت کے جسم کو مادی اور تجارتی شئے سمجھنا اور دوم، مثالی حسن کی ترویج کے ذریعہ عورت کو پہنچنے والے نقصان کا نظریہ۔

اورباچ (Orbach)، بورڈو (Bordo)، وولف (Wolf)، اسشر (Ussher)، میکنن (MacKinnon)، ڈوارکن (Dworkin) اور دیگر کئی حامیانِ حقوقِ نسواں نے مغربی تہذیب میں عورت کی تصویر کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔[49] انہوں نے نسوانی جسم کو مادی شئے بنانے اور اشتہارات، فحش نگاری، آرٹ، سینما وغیرہ میں اس کے استعمال کے مسئلہ کا جائزہ لیا ہے۔ ان کا اصل استدلال یہ ہے کہ نسوانی جسم کو اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے جس سے مردوں کی نظروں (جنس مخالف) اور مردوں کی خواہش (جنس مخالف) کی تسکین ہوتی ہے: کیوں کہ عورت خوبصورت ہوتی ہے اور اس کا جسم جنسی خواہش کو ابھارتا ہے۔ فنون لطیفہ (خاص کر عورت کی عریانی کے اصناف) اور فحش نگاری میں عورت کو عام طور پر ایک تابع اور اکثر لیٹی ہوئی اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ وہ مرد کی ملکیت ہے جسے وہ اٹھالے جائے۔[50] گرچہ کسی تصویر/فلم میں 'اُٹھا لینے' کی منظر کشی ہوتی ہے، لیکن حقوقِ نسواں کے بعض علمبرداروں نے یہ بحث کی ہے کہ عورت کی ایسی منظر کشی کے اثرات حقیقی زندگی میں ہوتے ہیں کیوں کہ یہ ''عورت کو (مرد) کے جنسی استعمال کی شئے کی صورت میں پیش کرتے ہیں''۔[51] مزید برآں عورت کے جسم کی یہ نمائش صرف فنون لطیفہ تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ جہاں کہیں تصویریں ہوتی ہیں بالخصوص اشتہارات میں ہر طرف یہی شبیہ پائی جاتی ہے: عورت کے جسم کو بکنی (مختصر لباس) میں کار کے عقبی حصے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے؛ ایک عورت کے پیر کو اناج کے ڈبے سے باہر نکلے ہوئے دکھایا جاتا ہے (Get more kicks out of Kix)[52]۔ فروخت کی جانے والی اشیاء اور جنسی پرکشش نسوانی جسم کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہوتا؛ وہاں جسم صرف کشش کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طرح کی تصویریں صنفِ مخالف میں ہیجان پیدا کردیتی ہیں اور اس خیال کو تقویت پہنچاتی ہیں کہ عورتوں کے جسم اشیاء ہیں۔ یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عورت کی اس طرح کی نمائش سے عورت

انسان کے درجے سے گر جاتی ہے، یہ عورت کو استعمال کی شئے بنا دیتی ہے اور ان کی شخصیت کو مسخ کر دیتی ہے۔

عورت کی اس حالت کو تبدیل کرنا اور اسے بہتر بنانا حامیانِ حقوق نسواں کے منصوبے کا ایک اہم جزو ہے۔

مصطفیٰ اور یوسف علی حجاب کو عورت کے اشیائے تجارت یا نمائش کی شئے بننے کے جال سے نکلنے کا راستہ سمجھتے ہیں، جو ان کی شخصیت میں سے کچھ تو انہیں واپس لوٹاتا ہے۔ اس یقین کے علاوہ کہ حجاب عورت کو نمائش کی شئے بننے سے بچاتے ہوئے مرد کی نگاہوں کے مضر اثرات کو دور کرتا ہے۔ مصطفیٰ اور یوسف علی یہ بھی کہتے ہیں کہ حجاب میں آزادی ہے کیوں کہ یہ عورت کو حسن کے غارت گر کھیل کی تباہ کاریوں سے بچاتا ہے۔ خوبصورتی کا کھیل یہ ہے کہ عورتیں اپنے آپ کو ایسے خوبصورت پیکروں میں ڈھالنے کی کوشش کرتی ہیں جنہیں وہ اپنے اردگرد دیکھتی ہیں۔ لمبے وڈھیلے لباس پہن کر اور اپنے بالوں کو اسکارف سے ڈھانک کر وہ ''فیشن انڈسٹری اور عورتوں کا استحصال کرنے والے دوسرے اداروں کی قید سے آزاد محسوس کرتی ہیں جن میں وہ معلق پینڈولم کی طرح قید تھیں'' (یوسف علی)۔ خوبصورتی کے کھیل سے باہر نکلنے کا فیصلہ کر کے وہ خود اپنے اسلامی ورثہ کی ایک علامت کو آزاد کر رہے ہیں، جسے دوسرے لوگ کسی اور سیاق میں ظالمانہ سمجھتے ہیں۔ اس طرح حجاب کا انتخاب کر کے وہ عورتوں کے متعلق ایک غالب تہذیب (مغربی) کے تصورات (یعنی عورت کو فیشن زدہ لباس میں اور نازک وخوبصورت بن کر رہنا چاہیے) کے بالمقابل مسلم شناخت اور ایک اقلیتی شناخت کی تعمیر کر رہے ہیں۔ وہ تصور حسن کے طاقت ور خیالات سے مزاحمت، ان کے خلاف بغاوت اور ان سے مقابلے کے لیے اپنے اسلامی ورثہ کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ اور اس طرح کا ذہن رکھنے والی مسلم خواتین کے لیے مغرب میں حجاب ایک جوابی تدبیر ہے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس اس غلط شعور کا اپنا ایک الگ بیان ہوتا ہے۔ وہ کہتی ہیں: ''لوگوں کے سامنے اپنے سینے کو عریاں رکھنے کے حق سے عورتوں کو مساوی مقام نہیں ملے گا، جیسا کہ بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اس پر یقین کر لیں''

(مصطفیٰ) اس طرح معاملہ کا رخ حقوقِ نسواں کے ان حامیوں کی جانب موڑ دیا گیا جو نوجوان عورتوں کی جانب سے حجاب کی حمایت کو ان کے غلط شعور کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

(C) حجاب اور نسوانیت

جو لوگ عورت کے جسم کی نمائش کو جائز اور مناسب (''اگر آپ کے پاس خوبصورت جسم ہے تو اس پر فخر کیجئے'' مغربی تہذیب میں عورتوں کے لیے یہ ایک عام پیغام ہے) سمجھتے ہیں ان کے نقطۂ نظر سے ''اسے چھپانا'' نسوانیت اور خوبصورتی کو کچلنے کے مترادف ہے۔ باپردہ مسلم خواتین کے ہلکے بھورے رنگ کے لباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نسوانیت اور جنسیت کو مسترد کیا جا چکا ہے۔ اس حصہ میں، مَیں نے اس مفروضے کے ازالے کے لیے چار نکات پیش کیے ہیں کہ حجاب کسی عورت کی نسوانیت اور جنسیت کو کچل دیتا ہے۔ اول یہ کہ عورت ہر وقت حجاب پہنے نہیں رہتی۔ گرچہ اسے عام طور پر ایسے ہی بیان کیا جاتا ہے۔ حجاب کوئی عوامی یا نجی لباس نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق غیر متعلق یا متعلق مرد کی موجودگی یا غیر موجودگی سے ہے۔ لہٰذا جب کوئی عورت اپنے رشتہ دار مردوں یا عورتوں کے درمیان ہوتی ہے، تب وہ پردہ نہیں کرتی۔ اسی طرح باہر بھی جب وہ غیر مردوں کی نظروں سے اوجھل رہتی ہے تو اسے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ دوم یہ کہ عورتوں کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ خود اپنے لیے اور اپنے شوہر کے لیے اچھے لباس زیب تن کریں۔ سوم، چونکہ سماجیانے کا عمل زیادہ تر علیحدہ رواج میں انجام پاتا ہے اس لیے عورتیں اکثر مرد وں کی غیر موجودگی میں مجتمع ہوتی ہیں۔ ان موقعوں پر، بیشتر خواتین بناؤ سنگھار اور عمدہ آرائشی لباس پہننا پسند کرتی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ قابلِ دید موقع دلہن کا عروسی جلوہ ہوتا ہے، جس میں عورتیں اپنا سب سے خوبصورت لباس پہنتی ہیں۔ ان میں سے بعض موقعوں پر مہندی کے ڈیزائن سے ایک دوسرے کا ہاتھ سجانے میں اپنا وقت صرف کرتی ہیں۔ ان مواقع پر گانا اور رقص عام بات ہے۔ میں نے عمر رسیدہ عورتوں کو بھی دیکھا ہے کہ وہ ناچ کر، تالیاں بجا کر اور اپنی کمروں کو مٹکا کر اس شرمیلی، سمٹی سمٹائی دلہن کو اس بات کے لیے اکسا رہی ہیں کہ وہ اور

بھی جوش سے اپنی کمر اور جسم کو حرکت دے اور چوتھے یہ کہ عوامی مقامات پر مرد کی نگاہوں سے نمٹنے کے لیے حجاب اور عورتوں کی دوسری حکمتِ عملیوں، جیسے بعض حامیانِ حقوق نسواں کے عام طریقے یعنی سر مونڈنے، میں پائی جانے والی مماثلتوں کو واضح کیا ہے۔

(D) حجاب، جنسیت اور لزومیت

آزاد خیال اور پس ساختیاتی حامیانِ حقوقِ نسواں دونوں کا یہ خیال ہے کہ انسانی رویہ اور خواہش سماجی طور پر تشکیل پاتے ہیں۔ حجاب کی طرح کا کوئی بھی طرزِ عمل جو مرد و عورت کے روایتی امتیاز میں اور اضافہ کرتا ہو وہ درست نہیں ہے۔

پردے کے احکامات سے متعلق اور مرد و عورت کے لباس میں فرق کے بارے میں خود قرآن نے تفصیلی وضاحتیں نہیں کی ہیں۔ تاہم اس میں دو اجمالی ہدایات ملتی ہیں جو کافی ہیں۔ جب ہم اس سلسلے کی قرآنی آیات کا جائزہ لیتے ہیں تو اس میں عورتوں کے لیے ہدایات ملتی ہیں، جیسے سورہ نور، آیت 31 میں کہا گیا کہ وہ ''خمورھن (عام طور پر اوڑھنی بطورِ حجاب) کو اپنے سینوں پر ڈالے رہیں'' اور سورہ احزاب آیت 59 میں کہا گیا کہ ''اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں (جب وہ باہر نکلیں): کہ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے، تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں۔'' میرے خیال میں قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ عوامی مقامات پر مرد و زن کے اختلاط میں عورت کو نقصان ہو سکتا ہے اور ایسے موقعوں پر ایک چادر ڈال لینے سے نقصان کا اندیشہ کم ہو جاتا ہے۔ قرآن نے قطعیت کے ساتھ یہ نہیں بتایا کہ کس طرح کا یا کون سا کپڑا زیادہ معاون ہو سکتا ہے، لیکن اگر ہم سورہ نور کی آیت کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھیں، جس میں مردوں اور عورتوں دونوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ ''اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں'' (سورہ نور آیت 31-30) تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ قرآن کا اشارہ مردوں کی نگاہوں کی جانب ہے جس کا اس سے قبل تجزیہ کیا گیا اور یہ واضح کیا گیا کہ مرد کی جنسی خواہش کے لیے نظر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

لزومیت اس وقت خطرناک ہو سکتی ہے جب مرد و عورت اور اعلیٰ و ادنیٰ کے

درمیان امتیاز کو مذہبی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے اور اسے زندگی، تعلیم اور رائے دہی جیسے بنیادی حقوق سے عورت کو محروم کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ یہ صدیوں سے جاری ہے۔ تاہم قرآن مرد وعورت میں اس طرح کے امتیازات کو تسلیم نہیں کرتا۔ یقیناً میں یہ کہوں گی کہ مرد وعورت کے درمیان یہ بنیادی مساوات کا اعلان ہے، جیسا کہ سورہ نساء آیت 1 میں فرمایا گیا: ''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت دنیا میں پھیلا دیے۔'' عوامی مقامات پر خواتین کے لیے جو دائمی نقصانات ہو سکتے ہیں قرآن ہمارے لیے اس کی وضاحت پیش کر رہا ہے۔ عورت کے پردے کو عورت/مرد کی لازمی شناخت کے حکم سے زیادہ ایک حکمت عملی کے طور بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں عمر رسیدہ خواتین کو بے نقاب رہنے کی اجازت دی گئی (سورہ نور آیت: 60)۔ یہ آزاد خیالی یا مابعد جدید حالت کے برعکس ہے جس میں یہ توقع ہوتی ہے کہ سماجیانے کا عمل عورت پر مرد کے تسلط اور اس کی ہراسانی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گا، جب کہ قرآن کہتا ہے کہ یہ انسانی وجود کی ایک مستقل خصوصیت ہے۔ اس کا لازمی مطلب حیاتیاتی جبر نہیں ہے کہ XY کروموزومس سے مراد عورت پر جبر کرنے والے ہیں کیوں کہ اکثر مرد عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔ بلکہ سماجیانے کا یہ عمل مرد کے اس قسم کے رویے کو مستقل طور پر دہراتا رہتا ہے۔

لہٰذا میرا استدلال یہ ہے کہ حجاب عورت کی جنسی خواہش سے انکار نہیں کرتا۔ صرف وہی سماج بہتر خدمت انجام دے سکتا ہے، جو گھر اور گھر سے باہر اور خاص کر عوامی زندگی میں مرد وعورت کی جنسی خواہش پر نظر رکھتا ہو۔

(E) حجاب اور پسند

اعادہ حجاب کی تحریک کے عالموں کے ساتھ ساتھ عمومی طور پر مغربی اسکالرز بھی عورتوں کے حجاب کو 'پسند' کرنے کے متعلق شک میں مبتلا ہیں۔ ایک پختہ اعتقاد یہ ہے کہ عورتوں پر پردے کو 'اختیار' کے لیے دباؤ ڈالا جاتا ہے، اس کے لیے بڑی چالاکی سے ان کی

ذہن سازی کی جاتی ہے۔ یہ خیال کچھ اس طرح ہے: 'اگر آپ نے حجاب اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے تو ٹھیک ہے، دراصل سماجی روایات نے آپ کو یہ یقین کروایا ہے کہ حجاب ایک اچھی بات ہے۔ تاہم اگر تم واقعی ایک عورت کی حیثیت سے اپنی دلچسپی کو جانتیں تو تمہیں یہ معلوم ہوگا کہ پردہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے، چنانچہ پردہ کرنے کے انتخاب کا فیصلہ اس بات کی افسوسناک علامت ہے کہ آپ کی ذہن سازی کی گئی ہے۔ درحقیقت مسلمان بننے سے پہلے میں ایسا ہی سوچتی تھی۔

کسی فرد کے اپنے رہن سہن اور اس (مرد یا عورت) کے اختیار کی اہلیت کے درمیان تعلق بہت پیچیدہ ہوتا ہے کیوں کہ اس کی پسند ہمیشہ اس کی تہذیب کے قابل قبول اور نا قابل قبول عناصر کے درمیان محدود ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ مغرب میں بھی جہاں بہت زیادہ آزادی پائی جاتی ہے، وہاں بھی لوگوں کی پسند کے اپنے معیارات ہیں۔ اس موضوع پر میں نے باب سوم میں بحث کی ہے۔ اکثر مغربی معاشروں میں آج بھی عورتوں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ عوامی مقامات (سوائے مخصوص مقامات جیسے: عریانیت کے ساحل یا کیمپ) پر اپنے سینے نہ کھولیں۔ سینے کے کھلا نہ رکھنے کی اس پابندی کی بنا پر کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ عورت اپنی تہذیب کی وجہ سے اپنا سینہ چھپانے پر مجبور ہے۔ بیشتر خواتین اس پابندی کو قبول کرتی ہیں اور ان کا یہ احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی پسند سے ایسے کپڑے پہنے ہیں جن میں سینہ چھپا رہے۔ حجاب کا بھی یہی معاملہ ہے: بہت سارے مسلم معاشروں میں یہ تہذیبی طور پر مسلمہ لباس ہے جسے مسلم خاتون اپنی پسند سے اختیار کرسکتی ہے (گرچہ ایسے معاشرے بھی ہیں جنہوں نے حجاب کو قبول نہیں کیا ہے، ترکی اس کی حالیہ معروف مثال ہے)۔ بلاشبہ میری اس بحث کا اطلاق ان معاشروں پر ہوتا ہے جو عورتوں کو اپنی پسند کی واقعی اجازت دیتے ہیں۔ ان میں ایران اور طالبان کا افغانستان جیسے مقامات شامل نہیں ہیں جہاں عورتوں کو بزور قانون بے پردگی سے روکا جاتا ہے یا سماجی شورش کے دور کی مسلم دنیا جہاں حجاب کو وفاداری کی علامت کے طور پر دیکھا جاتا تھا اور زبردستی پردہ کرنے کے لیے ان پر تشدد کیا جاتا ہے۔

عورتوں کے خلاف اس قسم کا تشدد نا قابلِ قبول ہے۔ یہاں میری گفتگو حجاب اور پسند کے تعلق کے بارے میں ان معاشروں سے متعلق ہے جہاں حجاب کو اختیار کرنے یا نہ کرنے کی حقیقی آزادی پائی جاتی ہے۔

(F) حجاب اور مذہبیت

مذہبی احکام کے باعث اور پاکدامنی کے لیے جب کوئی مسلم خاتون، باب دوم میں مذکور مجھے انٹرویو دینے والی کئی خواتین کی طرح، حجاب کو شعوری طور پر پہنتی ہے تو یہ اسلامی عقیدے کا ایک اہم باب بن جاتا ہے۔ دنیا کے دیگر بڑے مذاہب کی طرح، اسلامی تعلیمات بھی زندگی بعد موت پر زور دیتی ہیں اور ایمان لانے والوں کو آگاہ کرتی ہیں کہ دنیاوی ساز و سامان کے حرص میں گمراہ نہ ہو جاؤ۔ قرآن لوگوں کے ذہنوں کو قیامت کے دن کی جانب متوجہ کرتا ہے جہاں ہر انسان کے اچھے اور برے اعمال میزان میں تولے جائیں گے۔ پرہیزگاری، جس میں لباس بھی شامل ہے، اس کی جانب ہمیں تکرار کے ساتھ یاد دہانی کروائی گئی ہے اور یہ تمام دنیوی مال ومتاع سے بہت زیادہ اہم ہے۔ گرچہ ایک نیکی کے طور پر بھی حجاب استعمال کرنے سے بااختیار بنایا جاسکتا ہے، لیکن درحقیقت یہ صرف ایک ابتدائی سطح ہے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ: ''اللہ تمہاری شکل وصورت یا تمہاری دولت کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے''۔ (حدیث نمبر: ۲۵۶۴)

ایک دوسرے طریقے سے جب حجاب کو مذہبی حکم کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے تو اس سے سرمایہ دارانہ مادہ پرستی کے کلچر کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور یہ ہے جسم انسانی کے کمال کے متعلق قرآن کا پیغام۔ کھانے میں بے ترتیبی اور جسمانی عدم تسکین مغرب میں تباہ کن حد تک پہنچ چکے ہیں۔ لیکن ایسا صرف اسی تہذیب میں ممکن ہے جو اس بات پر یقین نہیں رکھتی کہ انسانی جسم کی ساخت کے بشمول ہر چیز اللہ کی مرضی سے تشکیل پاتی ہے۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ تہذیبی روایات اور تہذیب کی تشکیل انسانی جسم پر ہی ہو گویا کہ 'حیاتیاتی جسم' کے مانند کوئی شئے ہی نہ ہو۔[53] تاہم یہ بات بھی صحیح ہے کہ کوئی فرد بغیر آپریشن کے اپنے جسم کی ساخت کو

بہت زیادہ تبدیل نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی صحت مند غذائی حدود پر قائم رہتا ہو (یعنی بھوک کم کرنے والی دوا کے بغیر) تو اسے ورزش اور کم خوراک استعمال کرتے ہوئے صرف کچھ معمولی چیزیں کرنا پڑتا ہے۔ کسی فرد کے لیے اپنے جسم سے خوشی اور تسکین کا قرآنی پیغام یہ ہے کہ خدانے ہماری شکل وصورت بنائی ہے: ''وہی ہے جس نے تمہاری ماؤں کے پیٹ میں جیسا چاہا ویسی تمہاری شکل وصورت بنائی (سورہ نساء آیت:٦) اور اسی نے ہمیں بنایا ''بہترین ساخت پر پیدا کیا'' (سورہ التین، آیت:۴)۔ رسولِ اکرمؐ لوگوں کو صحت مند رہنے اور متوازن غذا اور ورزش کی نصیحت کرتے تھے۔

اس طرح اسلام سرمایہ دارانہ مادہ پرستی کا مدِ مقابل بن گیا۔ حجاب کو اختیار کرتے ہوئے مسلم خواتین ایک ایسے پختہ ایمان کی روایت کو قبول کرنے لگی ہیں جو مادہ پرستی کے تباہ کن نتائج کا مقابلہ کرنے کے لیے مثبت تدبیر فراہم کرتا ہے۔

(G) خاتمہ

اس باب میں جو بحث کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حجاب اکیسویں صدی میں جاری اس سرمایہ دارانہ صارفی کلچر کے مقابلہ حسن کی مزاحمت کے ایک طاقت ور ہتھیار کے طور پر کام کرتا ہے جس کے نقصاندہ اثرات عورت کی عزت نفس اور جسمانی صحت پر ہو رہے ہیں۔ حجاب ایک ایسا لباس بھی ہے جس کو مذہبی تائید حاصل ہے اور مذہب سے اس کا یہ تعلق اسے پہننے والوں کے لیے ایمانی عقائد کی راہ ہموار کرتا ہے جو لوگوں کی عزت نفس کو یہ یاد دلاتے ہوئے انتہائی بلند کردیتا ہے کہ ان کی قدر و قیمت کی بنیاد ظاہری وضع قطع پر نہیں بلکہ ان کے نیک اعمال کی بنیاد پر ہے۔ اس نقطۂ نظر سے حجاب مذہب کی ایک علامت ہے جو عورت کو جنسی شئے سے بڑھ کر ایک ذی روح تسلیم کرتا ہے۔ یہ اس عام حامی نسواں نظریہ کے بالکل برعکس ہے جس میں یہ کہا جاتا ہے کہ حجاب اس بات کی علامت ہے کہ اسلام عورت کو ایک جنسی شئے سمجھتا ہے، اسے باحجاب رہنا لازمی ہے کیونکہ عورت بذات خود ایک کمتر شئے ہے جس کی اہم خصوصیت اس کی جنسی کشش ہے جو سماجی نظام کے لیے خطرہ ہے۔

خلاصۂ کلام

میری کتاب کا آغاز میرے یہ سمجھنے کی کوشش سے ہوا کہ لوگوں کے اچھائی اختیار کرنے کے معاملہ میں انتہائی غیر جانب دار سمجھا جانے والا ایک آزاد سیکولر معاشرہ میرے مسلمان ہونے اور حجاب کو اختیار کرنے پر کیوں برہم ہوگیا۔ میری اس جستجو نے مجھے ایک ایسے سفر کا راہی بنادیا جس کا آغاز ماضی کے اس نوآبادیاتی دور سے ہوا جب یورپی عوام کا پہلی بار حجاب سے سامنا ہوا اور یہ سفر دور حاضر تک پہنچا جب کہ یورپ میں حجاب کو ترک کردینے کے بعد بعض مسلم خواتین نے دوبارہ اسے پہننا شروع کردیا ہے۔ میں نے ٹورنٹو کی بعض پردہ کرنے والی مسلم خواتین کے خیالات پیش کیے ہیں اور ایک حجاب مخالف عورت کے پرزور دلائل کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ آخر میں، میں نے اکیسویں صدی کی سرمایہ دارانہ تہذیب کے لیے حجاب کے مثبت نظریے کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

حجاب مرد اور عورت کے لباس کے متعلق ایک فلسفہ ہے اور مرد و زن کے تعلقات کے لیے آداب وطریقہ ہے۔ تاہم یہ کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے جو مختلف درجات میں عورت کے جسم کو ڈھانکتا ہے۔ اسے حجاب بھی کہا جاتا ہے، جو اس وقت مغرب میں نفرت کا محور اور مسلم دنیا میں ایک تلخ جدوجہد کا مرکز بنا ہوا ہے۔ ترکی اور تیونس میں ''جدیدیت'' کے نام پر حجاب پر پابندی کے قوانین وضع کیے گئے۔ یہ جدیدیت مستشرقین کی پیدا کردہ ہے جو اسلام کو پسماندہ، تہذیب کا مخالف، وحشیانہ اور عورت پر ظلم ڈھانے والا سمجھتی ہے۔ اس وقت مغربی دنیا عام طور پر حجاب کو ظلم سمجھتی ہے اور مسلم دنیا کی کوشش یہ ہے کہ حجاب کی مرکوزیت کو ملک سے نکال باہر کیا جائے۔

آج تک حامی نسواں کے بنیادی مباحث باپردہ عورتوں کے مثبت تجربات کی طرف مائل نہیں ہوئے، نہ ہی وہ حجاب کے اس تنوع کو سمجھ سکے ہیں جو ساری دنیا میں پایا جاتا ہے۔ یہ مستشرقین یا حامیانِ نسواں کے غالب مباحث ہیں جن کا مرکز توجہ مسلم عورت ہے اور جن میں باپردہ عورت کو بے زبان کٹھ پتلی بنادیا گیا، جو اپنے متعلق ہی زبان نہیں کھول سکتی، چہ جائے

کہ حجاب پر اظہار خیال کرے۔ حقوقِ نسواں کے مغربی حامی خود اپنی تہذیب میں عورت پر ہو رہے مظالم کو بھول جاتے ہیں اور مسلم عورت کو دنیا کا واحد مظلوم طبقہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ 'حجاب ظلم و جبر ہے' کے اس دقیانوسی تصور کو جاری رکھنے میں اقتدار کی سیاست کے کردار کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ حجاب مخالف بحث کو کئی طرح سے مغربی تسلط کے منصوبے سے جوڑا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس غلبے کو فطری قرار دیا جاتا ہے اور اسے مختلف منصوبوں یا کسی مخصوص خارجی پالیسی کا نتیجہ نہیں تسلیم کیا جاتا۔

اس پر کچھ لوگوں کا احتجاج بجا ہوگا۔ بیشتر مسلم معاشروں میں، عورت کو الگ تھلگ رکھا جاتا رہا ہے اور رکھا جارہا ہے؛ ان پر پردہ کے لیے دباؤ ڈالا جاتا رہا ہے اور دباؤ ڈالا جارہا ہے۔ حجاب ایک ایسے معاہدہ کا جزء رہا ہے جو عورت کی قوت کو محدود کرتا ہے، تعلیم سے روکتا ہے، گھر سے باہر روزگار اور رائے دہی کے حق سے محروم کرتا ہے۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے کہ مرنیسی جیسی بہت سی مسلم خواتین حجاب کے خلاف مہم چلاتی ہیں اور اس کے نہ ہونے پر خوش ہوتی ہیں۔ پردے کی نئی تحریک پردے کو ظلم قرار دینے والے دقیانوسی مغربی تصور اور بعض مسلم تہذیبی روایات دونوں کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔ قرآن و سنت کی تحریکات (جن کے کئی طرز ہیں) کی جانب واپسی خود اپنے اندر کئی قوتوں کی حامل ہے۔ یہ وہ تحریکیں ہیں، جن میں میں بھی شامل ہوں، جو قرآن و سنت، رسولِ اکرمؐ، اور اولین مسلم معاشرہ کو مرد و عورت کے درمیان عملی مساوات اور انصاف کا حامل سمجھتے ہیں۔ لیکن گذشتہ 1400 سال کے دوران ہونے والے تہذیبی حملوں نے اس نظامِ زندگی کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ مسلم مرد و خواتین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ عورتوں کو الگ تھلگ کرنے، سماجی تقریبات میں ان کی شرکت کے بنیادی حق سے محروم کرنے جیسی قدیم ظالمانہ روایات سے حجاب کو الگ کرنا چاہیے۔ وہ تعلیم، کام، سیاست میں داخلہ اور حجاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔

حجاب پر رایوں کا اختلاف آج مسلم معاشرہ کو مغلوبیت سے نکلنے نہیں دے رہا ہے۔ حالانکہ اختلافِ رائے اسلام کے ابتدائی دور کی ایک اہم خصوصیت تھی۔ حجاب کے

متعلق اکثر ایسا خیال پایا جاتا ہے کہ گویا یہ کسی عورت کے مسلم ہونے یا نہ ہونے کی علامت ہے اور جس بات کو فراموش کر دیا گیا ہے وہ شہادت (یہ اعلان وعقیدہ کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں) ہے جو کسی فرد کو مسلمان بناتی ہے، اس کے بعد جو چیز سب سے اہم ہے وہ وقت پر نماز پڑھنا ہے۔ احادیث ہمیں اس بات کی یاد دہانی کراتی ہیں کہ دین کی پابند مسلم خواتین بھی اگر یہاں فضول باتیں کرتی ہیں تو انہیں آخرت میں سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ہمیں کسی اور فرد کے اعمال کو ناپنے کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس بات کی ہمیں بہت زیادہ فکر کرنی ہے وہ یہ ہے کہ خود ہمارا رویہ اور اعمال کیسے ہیں، یہ نہیں کہ کوئی عورت کس طرح کا لباس پہنتی ہے۔ چنانچہ ''قدامت پسندانہ'' نقطۂ نظر کے حاملین کو تکبر اور حجاب نہ پہننے والوں کی ایسی ملامت سے گریز کرنا چاہیے؛ جس طرح 'ترقی پسند' گروہ حجاب یا نقاب استعمال کرنے والوں کی ملامت کرتے ہیں۔ ان باتوں سے اوپر اٹھ کر دونوں فریقین کو چاہیے کہ وہ ضمیر کی آزادی کو برقرار رکھیں۔

جب پہلی بار میں اپنی تحقیق کی طرف مائل ہوئی اس وقت مسلمانوں کے درمیان یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ حجاب مذہبی طور پر مسلمہ لباس نہیں بلکہ ایک تہذیبی لباس ہے۔ چونکہ مجھے قبول اسلام کے متعلق فیصلہ کرنا تھا، اس لیے میں نے اس پر تحقیق کی اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حجاب پر بحث کمزور دلائل اور ناقص منطق پر مبنی ہے۔ میں فکر مند ہوگئی کہ ''حجاب ایک مذہبی تقاضا نہیں ہے'' کا رجحان ابھر آنا ان مسلم خواتین کو اور بھی پسماندہ کرنے میں معاون ہوگا جو اسکارف یا نقاب استعمال کرنا نہیں چاہتی تھیں، گرچہ متعدد مغربی ممالک نے اسی وقت سے اس رجحان کی خوشی سے تائید کی۔ ان کے خیالات کو مغرب کے اصل دھارے کے تہذیبی مباحث اور ترقی پسند مسلم مباحث نے حاشیہ پر کر دیا۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ تمام عورتیں جن سے 'مسلم خواتین اور حجاب: فکر کے نئے گوشے' (Rethinking Muslim Women and the Veil) کے لیے انٹرویو لیا گیا سب کی سب اسکارف پہنتی یا پہننا چاہتی ہیں، لیکن ان میں سے بیشتر اسکارف کا استعمال کرتی ہیں اور اس کتاب کا مکمل خاکہ اس نقطۂ نظر کی

تائید کرتا ہے کہ حجاب مذہبی طور پر مسلمہ لباس ہے اور اس میں کوئی ظلم و جور نہیں ہے اور یہ مذہب کا ایک جز ہے جو مسلم خواتین کو عزت و تکریم بخشتا ہے۔

اس طرح توقع ہے کہ 'مسلم خواتین اور حجاب: فکر کے نئے گوشے' (Rethinking Muslim Women and the Veil) ان مباحث پر ایک متبادل نظریہ پیش کرے گی۔ میری کتاب حجاب کی ایک دوسری کہانی پیش کرنے کی ایک کوشش ہے: میری طرح ان لوگوں کی کہانی جو اسلام میں سکون اور خوشی محسوس کرتے ہیں اور جو یہ نہیں مانتے کہ اسلام عورتوں کو دبا کر رکھتا ہے یا حجاب ان پر ظلم ہے۔ جو لوگ سننا چاہتے ہیں ان کے لیے میری یہ کتاب گفتگو کی راہیں ہموار کرنے کی ایک کوشش ہے۔ یہ ایک اپیل ہے کہ حجاب پہن کر خوش ہونے والی مسلم خواتین کے ساتھ عزت و احترام کا سلوک کیا جائے، انہیں خوش اسلوبی سے سنا جائے اور بھلائی کے جذبے کے ساتھ اعتراض کیا جائے۔ ہم بعض مسائل کے عدم اتفاق پر متفق ہو سکتے ہیں، اس کے باوجود کم سے کم صورت یہ ہو کہ اس عالمی گاؤں میں ہم غیر متفق رہ کر بھی ایک دوسرے کے ساتھی بنے رہیں۔

مصنفہ

کیتھرائن بلاک (Katherine Bullock) نے 1999 میں یونیورسٹی آف ٹورنٹو سے سیاسیات کے موضوع پر اپنی پی ایچ ڈی کی تکمیل کی۔ اسلامی تمدن اور سیاست پر کیلیفورنیا اور ٹورنٹو میں تدریس کی خدمات انجام دیں۔ حال ہی میں یونیورسٹی آف ٹورنٹو میں ان کا تقرر ہوا، جہاں وہ 2002ء سے 'اسلامی سیاست' (The Politics of Islam) کے موضوع پر ایک کورس کے لیے تدریسی فرائض انجام دے رہی ہیں۔

فی الحال وہ 'دی ٹیسِ لیٹ انسٹی ٹیوٹ (The Tessellate Institute) نامی ایک غیر منافع بخش ادارہ اور ایک جدید قائم کردہ اشاعتی کمپنی 'کمپاس بکس' (Compass Books) کی صدر ہیں۔ وہ 2003ء سے 2008ء تک امریکن جرنل آف اسلامک سوشل سائنسز (AJISS) کی ایڈیٹر رہ چکی ہیں اور 2006ء سے 2009ء کے درمیان اسوسی ایشن آف مسلم سوشل سائنٹسٹس (شمالی امریکہ) کی نائب صدر تھیں۔

ان کی کتابوں میں' Muslim Women Activists in North America: Speaking for Ourselves' اور' Rethinking Muslim Women and the Veil: Challenging Historical and Modern Stereotypes' شامل ہیں جن کا ترجمہ فرانسیسی اور ترکی زبانوں میں ہو چکا ہے۔

وہ ایک سماجی کارکن ہیں اور اکثر و بیشتر مسلمانوں و غیر مسلموں کے سامنے لیکچر دیا کرتی ہیں۔ بنیادی طور پر ان کا تعلق آسٹریلیا سے ہے اور اس وقت اپنے شوہر و بچوں کے ساتھ کناڈا میں مقیم ہیں۔ انہوں نے 1994ء میں اسلام قبول کیا تھا۔

❖❖❖

حواشی

1 *The Complete Letters of Lady Mary Wortley Montagu*, quoted in Leila Ahmed, *Women and Gender in Islam: Historical Roots of a Modern Debate* (New Haven: Yale University Press, 1992), p.150.

2 مستشرقیت علم کا ایک میدان ہے جس کا مقصد معروضی (غیر جانب دارانہ) انداز میں اسلام اور مشرق وسطیٰ کا مطالعہ کرنا ہے لیکن درحقیقت اس کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ مشرق فطری طور پر کمتر ہے۔ Edward Said, *Orientalism* (1979, 2nd Ed., New York: Vintage Books, 1994), p.209.

3 Ahmed, *Women and Gender in Islam*, p.128.

4 Ibid., pp.129–30.

5 Ibid., p.145.

6 Ibid., p.129.

7 Timothy Mitchell, *Colonising Egypt* (Berkeley: Uni. of California Press,1988), pp.12–13, *passim.*

8 Ibid., pp.19–20.

9 Ahmed, *Women and Gender in Islam*, p.104.

10 کیوبک کا معاملہ ۱۹۸۹ء کے دوران فرانس میں باحجاب لڑکیوں کے اسکول کے اخراج کے واقعہ کے بعد سامنے آیا۔ فطری طور پر فرانس اور کیوبک کی ثقافت میں تعلق پایا جاتا ہے

11 Canadian Broadcasting Commission, Prime Time News, July, 1995.

12 Jeffery Simpson, "مسلم لباس پر جاری اعتراضات کی بنیاد ہی غلط ہے," *Globe and Mail* (Toronto, Canada), December 28, 1994, p.A16.

13 Mona LeBlanc, Letters to the Editor, *Globe and Mail*, Wednesday, January 4, 1995.

14 میں نے ''دیگر افراد'' کہا ہے کیوں کہ اکثر انٹرویو دینے والے اپنے آپ کو ''مذہبی'' نہیں سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ اسلام کے پانچ ارکان کا التزام کرتے تھے۔ ان کا احساس تھا کہ سچے مذہبی ہونے کے لیے انہیں مزید عبادات کرنی چاہیے اور کثرت سے قرآن کی تلاوت کرنی چاہیے۔

15 Yvonne Yazbeck Haddad, "Arab Muslims and Islamic Institutions in America: Adaptation and Reform," *in Arabs in the New World: Studies on Arab-American Communities,* eds. Sameer Y. Abraham

and Nabeel Abraham (Detroit: Wayne State University Centre for Urban Studies, 1983), p.75.

16 Azza M. Karam, *Women, Islamisms and the State: Contemporary Feminisms in Egypt* (London: Macmillan, 1998), p.133.

17 Ibid., p.139.

18 For Algeria, see Frantz Fanon, *A Dying Colonialism*. Trans. Haakon Chevalier (New York: Grove Press, 1967). French edition, 1959, pp.61–62, *passim*. For Iran, see Azar Tabari, "Islam and the Struggle for Emancipation of Iranian Women," in *In the Shadow of Islam: The Women's Movement in Iran*, eds. Azar Tabari and Nahid Yeganeh (London: Zed Press, 1982), p.13.

19 Sherifa Zuhur, *Revealing Reveiling: Islamist Gender Ideology in Contemporary Egypt* (New York: State University of New York Press, 1992), p.108.

20 John Williams, "A Return to the Veil in Egypt," *Middle East Review,* 11, 3, (1979), p.50.

21 Zuhur, *Revealing Reveiling,* p.2. ظہر کے مطابق یہ خیال یوس سینٹ لارینٹ کی اس بات سے متضاد ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سر کے اسکارف فروخت کے لیے دستیاب ہیں۔ See also Leila Hessini, "Wearing the *Hijab* in Contemporary Morocco: Choice and Identity," in *Reconstructing Gender in the Middle East: Tradition, Identity, and Power,* eds. Fatma Müge Göçek and Shiva Balaghi (New York: Columbia University Press, 1994), p.50.

22 Williams, "*A Return to the Veil*," p.54.

23 Homa Hoodfar, "Return to the Veil: Personal Strategy and Public Participation in Egypt," in *Working Women: International Perspectives on Labour and Gender Relations,* eds. Nanneke Redclift and M. Thea Sinclair (London: Routledge, 1991), pp.110–111; Arlene Elowe Macleod, *Accommodating Protest: Working Women and the New Veiling in Cairo* (New York: Columbia University Press, 1991), pp.114, 121.

24 Helen Watson, "Women and the Veil: Personal Responses to Global Process," in *Islam, Globalization and Postmodernity,* eds. Akbar S. Ahmed and Hastings Donnan (London: Routledge, 1994), p.148. نادیہ اس کے خاندان میں پوسٹ سکنڈری سے آگے تعلیم حاصل کرنے والی پہلی خاتون ہے، وہ اس وقت یونیورسٹی میں میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔

25 M. AlMunajjed, *Women in Saudi Arabia Today* (New York: St. Martin's Press,1997), p.47.
26 *New Statesman,* 27 March 1992, cover page.
27 *The Atlanta Journal/The Atlanta Constitution*, June 28, 1992, Section P.
28 *L'Express,* (Quebec), November 17, 1994, cover page.
29 *Le Nouvel Observateur*, September 28, 1994.
30 *Toronto Star*, May 14, 1996, F5.
31 *Vancouver Sun*, September 15, 1994, A18.
32 *Montreal Gazette*, April 11, 1994, B3.
33 *Toronto Star*, December 15, 1996, F4.
34 Deborah Scroggins, "Women of the Veil: Islamic Militants Pushing Women Back to an Age of Official Servitude," *The Atlanta Journal/The Atlanta Constitution,* Sunday, June 28, 1992, p.P3.
35 Jan Goodwin, *Price of Honor: Muslim Women Lift the Veil of Silence on the Islamic World,* (New York: Plume, 1994), p.262.
36 Ibid., pp.55, 78–9, 81, 98, 101, 107–9, 293, 300; Scroggins, "Women of the Veil," p.P3.
37 Goodwin, *Price of Honor*, pp.112, 161, 186–7, 217, 247, 342. گڈوِن نے بعض پردہ نشین خواتین کو بنیاد پرست نہیں کہا ہے بلکہ انہیں بنیادی پرستی سے خوف زدہ قرار دیا ہے۔ p.85; Scroggins, "Women of the Veil," p.P2. Geraldine Brooks, *Nine Parts of Desire: The Hidden World of Islamic Women,* (N.Y.: Doubleday, 1995), p.8.
38 Goodwin, *Price of Honor*, pp.137, 175.
39 Andrea B. Rugh, *Reveal and Conceal: Dress in Contemporary Egypt* (Syracuse, New York: Syracuse University Press, 1986).
40 S. Brenner, "Reconstructing Self and Society: Javanese Muslim Women and the Veil," *American Ethnologist,* 23, 4, (1996).
41 Fatima Mernissi, *Beyond the Veil: Male-Female Dynamics in Modern Muslim Society* (Revised ed, Indiana: Indiana University Press, 1987), and *The Veil and the Male Elite: A Feminist Interpretation of Women's Rights in Islam,* Trans. Mary Jo Lakeland (Reading, Massachusetts: Addison-Wesley Publishing Co., 1991).
42 Fatima Mernissi, *Dreams of Trespass: Tales of a Harem Girlhood* (Reading, Massachusetts: Addison-Wesley Publishing Co., 1994),

p.100.

43 Ibid.

44 Mernissi, *Beyond the Veil*, p.82.

45 Ibid.

46 T.J. Winter, "Desire and Decency in the Islamic Tradition," *Islamica* (United Kingdom), 1, 4, (January 1994), pp.11–12.

47 Mernissi, *Beyond the Veil*, p.107.

48 Naheed Mustapha, "My Body is my Own Business," *Globe and Mail,* Facts and Arguments, Tuesday, June 29, 1993; Yusufali: "My Body is My Own Business," *The Toronto Star,* Tuesday, February 17,1998, C:1.

49 Susie Orbach, *Fat is a Feminist Issue: A Self-Help Guide for Compulsive Eaters* (New York: Berkeley Books, 1979); Susan Bordo, *Unbearable Weight: Feminism, Western Culture, and the Body* (Berkeley, Calif.: University of California Press, 1993); Naomi Wolf, *The Beauty Myth: How Images of Beauty are Used Against Women* (1991, 2nd Ed, New York: Anchor, 1992); Jane Ussher, *Fantasies of Femininity: Reframing the Boundaries of Sex* (London: Penguin, 1997); Catherine A. MacKinnon, "Sexuality, Pornography, and Method: Pleasure Under Patriarchy," in *Feminism and Philosophy: Essential Readings in Theory, Reinterpretation, and Application*, eds. Nancy Tuana and Rosemarie Tong (Boulder: Westview Press, 1995); A. Dworkin, *"Pornography is a Civil Rights Issue,"* in *Debating Sexual Correctness: Pornography, Sexual Harassment, Date Rape, and the Politics of Sexual Equality,* ed. Adele M. Stan (New York: Delta, 1995).

50 John Berger, Sven Blomberg, Chris Fox, Michael Dibb and Richard Hollis, *Ways of Seeing* (London: BBC and Penguin, 1972).

51 MacKinnon, "Sexuality, Pornography, and Method," p.142.

52 Michael F. Jacobson and Laurie Ann Mazur, *Marketing Madness: A Survival Guide for a Consumer Society* (Boulder: Westview Press, 1995), pp.84–5.

53 Bordo, *Unbearable Weight*, p.290. Also pp.246–7, 275.

❖❖❖

آئی آئی آئی ٹی مختصر کتب کا سلسلہ

آئی آئی آئی ٹی کی مختصر کتابوں کا یہ سلسلہ ادارے کی اہم اشاعتوں کا ایک قابل قدر مجموعہ ہے جنہیں خلاصے کی شکل میں تحریر کیا گیا ہے تاکہ قارئین کو اصل کتاب کے اہم مضامین کے بارے میں بنیادی واقفیت ہوجائے۔ مختصر، پڑھنے میں آسان اور وقت کو بچانے والی یہ اجمالی تحریریں دراصل بڑی بڑی کتابوں کے انتہائی موزوں اور احتیاط سے تحریر کردہ خلاصے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتابچے قارئین کو اصل کتاب کے مطالعے پر ابھاریں گے۔

'مسلم خواتین اور حجاب: فکر کے نئے گوشے' کے موضوع پر ڈاکٹر کیتھرائین بلاک کی یہ کتاب پہلی بار آئی آئی آئی ٹی کے ذریعہ 2002ء میں شائع ہوئی اور 2007ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ یہ حجاب کے متعلق مغرب کے اس معروف تصور پر زوردار اور عالمانہ تنقید ہے جس میں حجاب کو مسلم عورت پر ظلم کی علامت کہا جاتا ہے۔ اس عالمی مسئلہ سے متعلق اٹھنے والے مختلف اہم سماجی و سیاسی سوالات پر بحث کرتے ہوئے مصنفہ نے حجاب سے مغرب کی تاریخی نفرت (نوآبادیاتی دور کے مختلف پہلوؤں اور حرم سے متعلق افسانوں کے بشمول) کا جائزہ لیا ہے۔ حامی نسواں مباحث کا تجزیہ کرتے ہوئے حجاب کے متعلق ایک متبادل نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مصنفہ نے حجاب کے موضوع پر کناڈا کی مسلم خواتین سے انٹرویو لے کر ان کے خیالات، آرا، تجربات اور نقاط نظر کو پیش کیا ہے۔

مصنفہ نے اپنی پی ایچ ڈی کے دوران اسلام قبول کیا تھا اور دل چسپی کی بات یہ ہے کہ ان کے قبول اسلام پر لوگوں کے ردعمل نے انہیں اپنے تحقیقی مقالہ کے عنوان کو بدلنے پر مجبور کیا اور

انہوں نے حجاب کو اپنی پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے کا عنوان بنایا۔ تاریخی اور تہذیبی غلط فہمیوں سے بھرے ہوئے اس موضوع پر انتہائی باریک بینی اور گہرائی سے مطالعہ کر کے مصنفہ نے بعض ان موضوعی اور منفی بنیادوں کا محاکمہ کرنے کی کوشش کی ہے، جو عصر حاضر میں اس اہم مسئلے سے متعلق جاری مباحث پر بہت حد تک غالب ہیں۔

ڈاکٹر بلاک کی یہ کتاب مغرب میں ابھرنے والے ایک بڑے سیاسی مسئلہ یعنی حجاب پر کی جانے والی کسی بھی تحقیق یا مباحثے کے لیے اہم پس منظر کا کام کرے گی۔

❖❖❖

یہ کتاب کیتھرائین بلاک کے ذریعے کی گئی ان کی درج ذیل اصل کتاب کی تلخیص ہے:

RETHINKING MUSLIM WOMEN AND THE VEIL:
Challenging Historical and Modern Stereotypes
Katherine Bullock
ISBN hbk: 978-1-56564-433-5
ISBN pbk: 978-1-56564-432-8
2007

انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کی مختصر کتابوں کا یہ سلسلہ ادارے کی اہم اشاعتوں کا ایک قابل قدر مجموعہ ہے، جنھیں تلخیص شدہ کتابچوں کی شکل میں اس لیے تحریر کیا گیا ہے کہ قارئین کو اصل کتاب کے اہم مضامین کے متعلق بنیادی واقفیت ہو جائے۔

حجاب کے متعلق جو منفی تصور پایا جاتا ہے، اس کا محاکمہ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اکثر لوگ اس مسئلے پر شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں۔ حجاب پہنا جائے یا نہ پہنا جائے کی بحث کافی گرم ہوتی جارہی ہے، کیوں کہ ذرائع ابلاغ اس کو مسلمانوں کی پس ماندگی اور وحشت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کتاب میں حجاب کے متعلق ان معروف مغربی خیالات کا محاکمہ کیا گیا ہے، جن کے مطابق حجاب کو مسلمان عورتوں پر ظلم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی مغربی میڈیا کے ذریعے بنائی گئی حجاب کی اس تصویر کے پس پردہ سیاسی محرکات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ کتاب میں اس عام منفی تصور کی نوآبادیاتی بنیادوں کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے اور مرنیسی جیسے آزاد خیال حامیانِ نسائیت افراد کے دلائل کا کامیاب محاکمہ کیا گیا ہے۔ یہ بات بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ایک صارفیت پسند کلچر میں عورتوں کی نسوانیت اور نزاکت کے خلاف ہونے والی زیادتیوں کے تدارک کے لیے حجاب کو کس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے۔

شیخ حمزہ یوسف ہنسن (بانی وچیرمین بورڈ آف ڈائرکٹرس، زیتونہ انسٹی ٹیوٹ)

اسلامیات کے موجودہ مباحث میں حجاب ایک سلگتا ہوا موضوع ہے۔ اس موضوع پر کئی دل چسپ تحریریں منظر عام پر آچکی ہیں، لیکن حجاب کے حامی افراد کی جانب سے آنے والی کتابیں بہت کم ہیں۔ زیر نظر کتاب ان لوگوں کو ضرور پڑھنا چاہیے، جو مشرق ومغرب میں مسلم کاز کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر بلاک کی کتاب بڑی توجہ کی طالب ہے، کیوں کہ اس میں حجاب اور اس کے مفہوم سے متعلق مغرب کے ذہنوں میں بیٹھے ہوئے بعض اہم مفروضات کا محاکمہ کیا گیا ہے۔

جولین بانڈ (ڈائرکٹر کرسچن مسلم فورم)

زیر نظر کتاب وقت کے اہم تقاضے کو پورا کر رہی ہے۔ اشاعت اول کے وقت اس کی جو اہمیت تھی، آج وہ اہمیت دوچند ہو چکی ہے۔ مصنف نے اسے ایک مغربی عورت کے نقطۂ نظر سے لکھا ہے۔ ایسی عورت جسے حجاب کے متعلق کافی غلط فہمیاں تھیں لیکن اس نے اسلام قبول کرنے کے بعد خود حجاب پہننا شروع کر دیا۔ یہ ذہن کو تازہ کرنے والی، دل چسپ، ایماندارانہ اور اخلاص کے ساتھ لکھی ہوئی ایک بہترین تحریر ہے۔ اس مسئلے پر نظری طور سے توجہ دینے کی عمومی روایت کے برخلاف مصنفہ نے حجاب استعمال کرنے والی خواتین کے حقیقی تجربات کو سنا اور انھیں ان کے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب اس موضوع کا مطالعہ کرنے والے نئے افراد کو کافی معلومات فراہم کرے گی، جس کی بنیاد پر وہ اس موضوع کے متعلق ایک رائے قائم کر سکیں گے۔

ISBN: 978-93-84973-66-7

9 789384 973667

Qazi Publishers & Distributors
B-35 (LGF), Nizamuddin West, New Delhi-110013
Phone :+ 91-11-2435 2732, 4182 7475 Fax :+ 91-11-2435 2048
E-mail: qazipublishers@yahoo.com
info@qazipublishers.com